

آرزو کا دِیا

ثمرین ندیم ثمر

آرزو کا دِیا

ثمرین ندیم ثمر

رنگِ ادب پبلی کیشنز

نگرانِ اشاعت
شیرازی شاعر
0300-2054154

نام کتاب	:	**آرزُو کا دِیا**
شاعرہ	:	**ثمرین ندیم ثمر** **samreen2574@gmail.com**
کمپوزنگ	:	زاہد اقبال (**0331-2533188**)
سرورق	:	زاہد اقبال (**0331-2533188**)
اشاعت اوّل	:	**2025**ء
صفحات	:	**302**
زیر اہتمام	:	عبدالرحمٰن ندیم
ترتیب	:	ڈاکٹر ذکیہ رانی، شازیہ عالم شازیؔ
ناشر	:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی **0345-2610434** **rangeadab@yahoo.com** **www.facebook.com/rangeadab**
آئی ایس بی این نمبر	:	**978-969-745-187-6**
قیمت:	:	**800** روپے

برائے رابطہ : **ثمرین ندیم ثمرؔ**

دوحہ (قطر) **0097433079168**
کراچی (پاکستان): **(0092)333-2288271**

اِنتساب

اپنے شوقِ تحریر کے نام
جس نے مجھے لکھنے پر مجبور کیا
اور ایک شاعرہ میں ڈھال دِیا۔۔۔

(ثمرین ندیم ثمرؔ)

کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما
فکرِ ما درکارِ ما آزارِ ما

(مولانا جلال الدین رومی)

فہرست

شمار	کلام	صفحہ
39	خوشیاں بکتی ہوں جہاں، ایسا ہے بازار کہاں	87
40	جانے کیوں تم مجھ کو خوابوں میں ستاتے ہو	89
41	میری آنکھوں میں جو آنسو موتی سے لہرا گئے	91
42	آتا رہا ہے ذہن میں تیرا خیال بھی	93
43	وہاں اب صبحِ نو نے آکے پھیلایا اُجالا	95
44	پھر جدّتِ خیال سے جاگی ہیں اُنگلیاں	97
45	سمندر کے کنارے سیپیوں کی کھوج میں	99
46	نگاہ میں مری یہ خواب روز آتے ہیں	101
47	مجھ میں اب پہلے جیسا جنوں بھی نہیں	103
48	ہواؤں میں تری خوشبو ہے اب رچی	105
49	بچ نہ پائی زباں کی تری دھار سے	107
50	یہ بڑائی کہ ہو سب سے ہی دوستی	109
51	بن گیا میرا افسانہ قصّے سے یوں	111
52	خوشبو کا ایک جھونکا جو پیکر میں آ گیا	113
53	نفیس و مہذب زباں ہے ہماری	115
54	جب سے ہمارے آپ تصوّر میں آئے ہیں	117
55	لہو سے سینچ کے ہم نے چمن نکھارا ہے	119
56	ترے فراق میں جو چشمِ تر ہوئی میری	121
57	تمہارے اشکوں سے میں دل کو صاف کرتی ہوں	123
58	ترے ضمیر کو اب میں جگا کے چھوڑوں گی	125
59	آج مجھ کو کہنا تھا ہی کچھ الگ	127

شمار	کلام	صفحہ

رُوپ احساس کا ''آرزو کا دِیا''

(ڈاکٹر شاداب ؔاحسانی)

دماغ سے سانس لیتی ہوئی دُنیا میں شاعری قلبی موانست کو بنیاد بنائے ہوئے ہے۔ طبعی جہان (Visible World) اور مابعد الطبعی جہان (Invisible World) کو وجدان شاعری کے ذریعے ازلی اور ابدی حقیقتوں کو زندگی سے ہم کنار کیے ہوئے ہے۔ ایسے میں ''آرزو کا دِیا'' روشن کرنے والی شاعرہ ثمرین ندیم ثمرؔ تجلّی کو تکرار نہیں ہے کہ مصداق اپنی انفرادیت کے ساتھ جلوہ گر ہے، یہ جلوہ گری غیر مرئی کو مرئی اور مرئی کو غیر مرئی بنائے ہوئے ہے۔ نظر نہ آنے والا اور نظر آنے والا جہان دُنیائے علوم کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ وقت یا عصر کا احوال صدائے کُن سے تا حال جاری ہے۔ ؎

وقت چلتا رہا، رُک نہ پایا کہیں
دے نہ پائی مجھے عمرِ رفتہ حساب

عمرِ رفتہ کے احساس سے مزین حال اور مستقبل پر نظر رکھنے والی شاعرہ ثمرؔ کا کہنا ہے: ؎

تُو زمیں کے خواب چھوڑ اور آسماں کی بات کر
اب نئی دُنیا میں رہ کر دو جہاں کی بات کر
زورِ بازو پر بھروسہ تجھ کو ہے اپنے اگر
اس زماں کو تُو بدل، دُوجے زماں کی بات کر

کچھ نئی سوچیں ثمؔر پھیلا زمانے میں تُو اب
فکر کر جذبات لکھ عہدِ رواں کی بات کر

مصنوعی ذہانت کے اس زمانے میں انسان کی ایجاد کردہ کمپیوٹر کی دنیا نے کیا روبوٹ کو انسان کے مقابل لا کھڑا کیا ہے؟۔ثمرین ندیم ثمؔر کی شاعری عصرِ حاضر کی نمائندہ شاعری ہے۔

''آرزو کا دِیا'' ثمرین ندیم ثمؔر کا دُوسرا مجموعہ کلام ہے،جس میں غزلیں، نظمیں، نثری نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔مجموعے کا آغاز قطعہ سے ہوتا ہے۔

آرزُو کا دِیا جل اُٹھا
جھونکا خوشبو کا مہکا گیا
میری دُنیا کو احساس نے
رُوپ فردوس کا دے دیا

احساس کی یہ شاعرہ اپنے خوابوں کے لیے تعبیروں کی محتاج نہیں۔دُنیا بھی اس کے لئے فردوس کے سلسلے کی کڑی ہے۔سب کچھ احساس پر ہے یاں موقوف،شرحِ وقتِ زوال کوئی نہیں۔''غزل'' ثمؔر کی محبوب صنفِ سخن ہے۔غزل قصیدہ کی تشبیب سے شروع ہوئی۔ابتدا میں غزل،نظم کی طرح ہی لکھی جاتی تھی۔ یک غزلہ، دوغزلہ، سہ غزلہ، چونکہ شعری اصناف کلچر کی کوکھ سے جنم لیتی ہے،عربی میں کبھی تشبیب سے کشید کردہ غزل نہیں لکھی گئی۔ساتویں صدی عیسوی میں قادسیہ کی فتح کے بعد قصیدے نے عرب سے فارس ہجرت کی، یوں فارس کے کلچر کی مناسبت تشبیب پر غالب آ گئی۔ بعد ازاں غزل کی ہجرت ہندوستان میں یہاں دوہے کی مناسبت غزل پر غالب آ گئی اور غزل کا اکثر شعر دو مصرعوں

کی نظم ہو کر رہ گیا، یہی وجہ ہے کہ غزل کی بے پناہ مخالفت کے باوجود غزل کے فروغ میں کمی نہیں آئی۔ کلیم الدین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ:

''غزل ایک نیم وحشیانہ صنفِ سخن ہے۔''

اُصول یہ ہے کہ مستعار صنف کو کلچر سے ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے ورنہ متروک ہو جاتی ہے۔ صدیوں سے غزل دوہے کا چلن اختیار کیے ہوئے ہے۔ ثمرؔ کی غزل بھی مذکورہ چلن کا آئینہ ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎

ہے عجب کتنا یہ سپنوں کا جہاں اب سارا
دل میں میرے ترے دھرنے پہ کوئی قید نہیں

داستاں ہے یہ حسیں کتنی ثمرؔ خوابوں کی
ڈوب کر اس میں اُبھرنے پہ کوئی قید نہیں

ان اشعار میں رومانی فضا کو احساس نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

غزل اپنے ساتھ تذکیر کا صیغہ لائی، جب کہ مقامی شاعری یعنی گیت میں صیغہ تانیث کے رچاؤ نے نسائی لہجے کو توانائی بخشی۔ ابتدا میں خواتین شاعرات تہذیبی رچاؤ کے ساتھ نسائی لہجہ اپنائے رہیں۔ اکیسویں صدی تک آتے آتے نسائیت نے تانیثیت کی چادر اوڑھ لی۔ ثمرین ندیم ثمرؔ کی شاعری نسائیت اور تانیثیت کا پیراہن زیب تن کیے ہوئے ہے۔ ؎

کرتا وہ مجھ سے پیار ہے، سچ ہے یہی مگر
وہ میرا غمگسار ہے، سچ ہے یہی مگر

ویسے تو آتے جاتے ہیں مجھ میں ہزار غم
بس اک ترا ہے غم جو مجھے مستقل ملا

نسائیت سے آراستہ تانیثی لہجہ:

تمہارے اشکوں سے میں دل کو صاف کرتی ہوں
میں آج ابھی تمہیں دل سے معاف کرتی ہوں

خطاؤں کو نظر انداز کیوں کیا تیری
مرا قصور ہے میں اعتراف کرتی ہوں

سِیا ہے اپنے لبوں کو کہاں کہاں میں نے
ثمؔر میں آج نیا انکشاف کرتی ہوں

تعلق کی دو جہات مسلمہ ہیں۔
ذات سے ضرورت کا تعلق (Self To Need) ذات سے ذات کا تعلق (Self To Self) اس جہانِ فانی میں اکثریت ضرورت کے رشتے سے بندھی ہوئی ہے۔ جب ذات سے ذات کے تعلق کے لازوال اشعار ثمرین ندیم ثمؔر کے ہونے کی گواہی ہیں:ـــــ

مسیحا اچھا ہو پھر بھی شفا نہیں ہوتی
مریضِ عشق کی کوئی دوا نہیں ہوتی

ترے فراق کا حاصل ہے زندگی کا جبر
نمازِ عشق کوئی بھی قضا نہیں ہوتی

راز نہ کھولو سارے زمانے کے آگے
دُنیا کے آگے تم مخفی بات کرو

تُو میرے ہر یقیں میں ہے، ہر اِک گماں میں ہے
مجھ کو یقیں ہے تُو مرے ہر اک زماں میں ہے

میں تھک گئی ہوں ڈھونڈ کے تیرا پتہ ثمؔر
گھر تیرا کس گلی میں ہے؟ اور کس مکاں میں ہے؟

شاعرہ ''ذات سے ذات کا تعلق'' کے سفر میں اپنے ہونے کی جستجو میں مبتلا ہے۔ میں کون ہوں؟ نامعلوم، میرا خالق بھی نامعلوم، ذات صفات کے آئینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ شاعرانہ پیرائے میں اُٹھایا گیا سوال آج بھی موثر ہے۔

یوں تو نظموں کے حوالے سے بھی ثمؔر اہم شاعرہ ہے۔ ''مہکتی انسانیت'' اور ''کہاں ہیں نشاں'' اہم ہیں۔ نثری نظمیں بھی مخصوص آہنگ لیے ہوئے ہیں۔

''آرزو کا دِیا'' کی اشاعت پر دِلی مبارک باد۔ اُمید کی جاسکتی ہے کہ قارئین اس اہم شعری مجموعے کا خیر مقدم کریں گے۔ آخر میں قطر میں اقامت پذیر ثمؔر کے دو اشعار:ؔ

اجنبی عشق میں ہوجاتا ہے اکثر اپنا
تجھ سے وابستہ ہوا آج مقدر اپنا

در و دیوار مکینوں کو کہاں بھول سکے
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

پروفیسر ڈاکٹر شاداب احسانی
سابق صدر نشین، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی

ثمرین کی شاعری کا تخلیقی بیانیہ

(خواجہ محمد اکرام الدین)

شاعری بلا شبہ قدرتی عطا ہے۔ یہ ملکہ ہر کس و ناکس کو میسر نہیں، لیکن ہر وہ شخص جس کو یہ ملکہ عطا ہوا ہے، ضروری نہیں کہ وہ تخلیقی جوہر بھی رکھتا ہو۔ اس کے لئے ہنر مندی اور رموزِ شاعری سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اکتسابِ فن سے شاعری کے رموز تو سیکھے جا سکتے ہیں لیکن شاعری کے اصل جوہر کو نکھارنے کے لئے صناعانہ اور فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔

آج کی دُنیا ایک طرف سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقیات کے اعتبار سے بامِ عروج پر ہے۔ دراصل سائنسی ترقیات ہماری زندگی میں انقلاب انگیز تبدیلیاں لے کر آئی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا سیدھا اثر ہماری شب و روز کی زندگی پر مرتب ہوئیں۔ زندگی اِتنی آسان ہوگئی کہ ہم نے اس ٹیکنالوجی کو اپنی زندگی کا لازمہ بنالیا اور گرد و پیش کو بھی اسی عینک سے دیکھنے لگے۔ آج کی زندگی کو دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ لوگ مشینی دور میں خود بھی مشین بن گئے ہیں، اور ان کی زندگی کا انحصار بھی انھیں مشینوں پر ہے۔ آج کا انسانی ذہن بھی مشین کی طرح ہے جو انسانی جذبات اور اقدار کے برعکس صرف مادیت کی سطح پر سوچتا ہے یا ذاتی مفادات ہی پیش نظر ہوتے ہیں۔ اسی لیے بتدریج خالص انسانی جذبات و احساسات بھی مصنوعی ہوتے جا رہے ہیں۔ اس پُر آشوب دور میں ادب و شعر ہی جو اس بازار جیسی دنیا میں انسان، انسانی اقدار اور تہذیبی روایات کو زندہ رکھے ہوئے۔ ان روایات میں سچے جذبات و احساسات زیریں لہروں کی مانند رواں دواں رہتے ہیں۔ بالخصوص شاعری جو جمالیاتی تسکین کا سبب بھی ہے اور دلی سکون کا موجب بھی کیونکہ انسانی معاشرے کی ہر

اچھائی اور بُرائی کی جانب لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔ انقلاب کی بات ہو یا محبت کی ہر طرح کے نغمے اُردو شاعری میں ملتے ہیں کیونکہ شاعری انسانی حسیات اور ادرکات کا نام ہے۔ شاعری کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ دِل سے اُٹھنے والی آواز ہے جو سیدھے دل تک پہنچتی ہے، اسی لئے اُردو شاعری نے کبھی انسان کو آئینہ دکھایا تو کبھی عقل و ادراک کی راہیں دیکھائیں۔ اُردو زبان و ادب میں شاعری کی روشن تاریخ رہی ہے جو خوشبو کی طرح ہمارے ادب و تہذیب کو معطر کئے ہوئے ہے۔

آج کے ادب کی ہمہ جہتی کو دیکھیں تو خوشی ہوتی ہے۔ اُردو اپنے وطن یعنی برّ صغیر سے باہر کئی جہتوں سے ترقی کر رہی ہے۔ اس کی آبیاری میں غیر ملکی ادیب، تارکینِ وطن اور مہجری ادیب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

خوشی کی بات یہ بھی ہے کہ وطن سے دُور خواتین بھی اُردو شاعری کے سرمائے میں گرانقدر اضافہ کر رہی ہیں اور ادب کو ثروت مند بنا رہی ہیں۔ ان کی تخلیقات میں فکر کی نئی روِش دیکھنے کو ملتی ہے جس میں زمانے کا کرب بھی ہے اور معاشرے کی ستم ظریفی بھی۔ ان کی تخلیقات میں براہ راست بیانیہ نمایاں طور پر موجود ہے۔

ثمرین ندیم ثمؔر کی شاعری براہِ راست بیانیہ کی عمدہ مثال ہے۔ ثمرین مافی الضمیر کی ادائیگی کے لئے صنعتوں کا سہارا بہت کم لیتی ہیں، اسی لئے ان کی شاعری کہیں موزونیت کا حسن دکھتا ہے تو سادہ لوحی کے جذبات بے کم و کاست جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ ان اشعار کو دیکھیں تو یہی تاثر اُبھرتا ہے:

گفتگو جاری رہی، شکوے گلے ہوتے رہے
یاد کرتا رہا اس کو دل مضطر اپنا

خدا کا تحفہ انسانوں سے اُلفت ہے
یہی آپس میں ہمدردی محبت ہے

وقت چلتا رہا رُک نہ پایا کہیں
دے نہ پائی مجھے عمرِ رفتہ حساب

ہے عشق اور بیاباں میں رابطہ مضبوط
کبھی بغیر سماعت صدا نہیں ہوتی

یہ سادہ بیانیہ ہے جو موزونیت کے ساتھ شعر کے قالب میں خوبصورتی سے ڈھل رہا ہے۔ وطن سے دُور ادیبوں اور شاعروں کا ایک اہم موضوع ''یادِ وطن'' بھی ہے جو ثمرین کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے:

آ کے پردیس میں یاد آیا وطن گھر اپنا
وہ جہاں اپنا محبت کا سمندر اپنا

مجھے اُمید ہے، ثمرین کی شاعری کا یہ مجموعہ شاعری کے سرمائے میں اہم اضافہ ہوگا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

نیک تمنّائیں
خواجہ محمد اکرام الدین
ہندوستانی زبانوں کا مرکز
جواہر لعل نہرو یونیورسٹی
نئی دہلی (بھارت)

آرزو کے دِیئے اب جلاتے چلو

(ڈاکٹر مقصود جعفری)

محترمہ ثمرین ندیم ثمؔر کا تعلق کراچی سے ہے، مگر مدّتِ مدید سے آپ دوحہ/ قطر میں مقیم ہیں اور اُردو زبان کی آبیاری دیارِ غیر میں بھی خُونِ جگر سے کر رہی ہیں۔

''آرزو کا دِیا'' آپ کا شعری مجموعہ زیرِ طبع ہے۔ آپ نے واٹس ایپ پر اس کی پی ڈی ایف بھیجی ہے اور رائے کی فرمائش کی ہے۔ اس سے قبل اُن کا پہلا شعری مجموعہ ''خوشبوئے خیال'' شائع ہو چکا ہے جس پر میری مفصّل رائے شائع ہو چکی ہے، جو میری حال میں چھپنے والی کتاب ''ادبی تبصرے'' میں شامل ہے، جسے گذشتہ ماہ ''نیشنل بُک فاؤنڈیشن اسلام آباد'' نے شائع کیا ہے۔

''آرزو کا دِیا'' آپ کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔ آپ بنیادی طور پر غزل کی شاعرہ ہیں۔ آپ کی غزلیات سادہ و سلیس زبان میں ہیں اور سہلِ ممتنع کی بہترین ترجمان ہیں۔ آپ کے دل کا سوز و گداز آپ کے شعروں سے عیاں ہے۔ کسی کی آرزو انسان کو ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپا دیتی ہے۔ یہ آرزو ذاتی بھی ہو سکتی ہے اور کائناتی بھی۔ شاعر کا ذاتی غم اصل میں آفاقی غم ہوتا ہے۔ ''آرزو کا دِیا'' جلتا رہے تو عزائم جواں رہتے ہیں۔ تمنّا جو آرزو کا دوسرا نام ہے جب اس کا چراغ گُل ہو جائے تو پھر بقولِ شاعر:

تم جو گُل کر گئے ایک تمنّا کا چراغ
محفلِ زیست کی سب شمعیں بجھا دیں میں نے

آرزو پوری ہو جائے تو وصل اور اگر پوری نہ ہو تو فراق۔ ''آرزو کا دِیا'' وہ تابناک ''دِیا'' ہے جو ہمہ وقت خُونِ دل سے جلتا رہتا ہے اور زندگی کی شبِ درماندہ میں

اُمیّد کی کرنیں بکھیرتا رہتا ہے۔ میری ایک فارسی غزل کا مطلع ہے:

یک لحظہ در حیات میّسر نہ جام شُد
در آرزو وصلِ تو عمرم تمام شُد

آرزو وہ بیتابیٔ دل ہے جو مُرغِ بسمل کی طرح عاشق کو تڑپاتی ہے۔ جب تک آرزو زندہ ہے دل زندہ ہے۔ 'مرگِ آرزو' 'مرگِ دل' ہے اور مرگِ دل انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہے۔ جب آرزو اور انتظار کا مرحلۂ جانکنی ہو تو پھر بقولِ شاعر:

عُمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

ثمرین ندیم ثمرؔ کی شاعری میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کے ساتھ ساتھ غمِ انساں کا تذکرہ بھی ہے۔ انقلابی اور فکری رنگ کی ایک جھلک دیکھیں، کہتی ہیں:

وقت چلتا رہا، رُک نہ پایا کہیں
دے نہ پائی مجھے عمرِ رفتہ حساب

وہ انسان دوست اور امن پرست شاعرہ ہیں۔ وطن سے شدید محبّت اُن کے خون میں رچی بسی نظر آتی ہے۔ کہتی ہیں:

آ کے پردیس میں یاد آیا وطن گھر اپنا
وہ جہاں اپنا، محبّت کا سمندر اپنا

آپ کی غزلیات زیادہ تو رومانوی ہیں۔ دردِ ہجر سے بھرپُور اور شُعلۂ شمعِ طور ہیں۔ مرزا غالب نے کہا تھا:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

مرزا غالبؔ کی ''آرزو'' رہی کہ کوئی اُن کے مرضِ عشق کی دوا کرے جبکہ اس مرض کی اگر کوئی دوا ہوتی تو امیر خسرو یہ نہ کہتے:

از سرِ بالینِ من بر خیز اے ناداں طبیب
دردِ مندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

ثمرین ندیم ثمرؔ نے اِس ضمن میں لاجواب شعر کہا ہے اور شاعری کا سادہ و سلیس انداز میں حق ادا کر دیا ہے۔ کہتی ہیں:

مسیحا اچھّا ہو، پھر بھی شفا ہوتی نہیں
مریضِ عشق کی کوئی دوا ہوتی نہیں

میر تقی میرؔ کی غزلیات تسلسلِ غم اور غمِ مستقل کی آئینہ دار ہیں۔ فرماتے ہیں:

دمِ صبح بزمِ خوشِ جہاں شبِ غم سے کم نہ تھے
مہرباں کہ چراغ تھا سوتو دُود تھا، جو پتنگ تھا سُو غبار تھا

اب اس غمِ مستقل کی کیفیّت کو ثمرین ندیم ثمرؔ کتنی خوبصورتی سے ادا کرتی ہیں۔ کہتی ہیں:

ویسے تو آتے جاتے ہیں مجھ میں ہزار غم
بس اک ترا ہے غم جو مجھے مستقل مِلا

یہی وہ غمِ مستقل ہے جس سے اُن کی ’’آرزو کا دِیا‘‘ ہنوز فروزاں ہے اور اُس کی تپش اور روشنی سے وہ شمعِ شاعری جلائے بیٹھی ہیں۔

میری بھی یہ آرزو ہے کہ اُن کی ’’آرزو کا دیا‘‘ جلتا رہے اور وقت کی آندھیاں اِسے بجھا نہ سکیں۔

ایں دعا از من و از جُملہ جہاں آباد باد

۲۹/ اگست ۲۰۲۴ء

اسلام آباد

آرزُوئے ثمؔر

(ڈاکٹر ذکیہ رانی)

تصویرِ کائنات میں رنگوں کی صورت عمر گزارتی عورت نے ان گنت صدیوں کے رنج وآلام کو اب اظہار کے زیور سے مزین کرنا سیکھ لیا ہے۔ شاعری کا میدان کبھی صنفِ نازک کے لیے ''شجرِ ممنوعہ'' ہوا کرتا تھا اور وہ تخلیق کے کرب کو اپنے آنسوؤں کی صورت آنچل بھگو لیا کرتی تھی۔ شعر کہنے کی یہ پابندیاں اب قصّہٗ پارینہ ہیں۔ اکیسویں صدی کی عورت زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی ذات اور شناخت کے قدآور شجر لگاتی جارہی ہے۔ شاعری کے چمن میں ''خوشبوئے خیال'' کے بعد دوسرے شعری مجموعے ''آرزو کا دِیا'' لیے عہد حاضر کی شاعرہ ثمرین ندیم ثمؔر کا خیر مقدم ہے۔

ثمرین ندیم ثمؔر دیارِ غیر کے نمائندہ شعراء میں اپنے آپ کو منوائے ہوئے ہیں۔ ثمرین کی شاعری نسائی احساس اور نفسیات کا پرتو ہے۔ وہ کہتی ہیں:

سیا ہے اپنے لبوں کو کہاں کہاں میں نے
ثمر میں آج نیا انکشاف کرتی ہوں

☆

شخصیت تیری ہے سات پردوں میں گُم
ذات کی کھوج نکلی ہے گہرا سراب

☆

دریا ہے یہاں آگ کا، سامنے کوہِ گراں ہے
پار مجھے کرنا ہے پہنچنا کوئے بتا ں ہے

☆

اکیسویں صدی کے دامن میں جہاں انسان کے لیے بہت سی آسانیاں اور آسائشیں ہیں، وہیں تخیل اور وجدان کی اشیاء سے جنگ بھی جاری ہے۔ مشینوں کی حکومت دل کے لئے پژ مردگی اور اُداسیوں کا سبب بن رہی ہے۔ آج دردِ دِل کا احساس کرنے والے بے حسی کی چادر اوڑھے اسکرین کی اسکرولنگ میں مصروف ہیں۔ سب ہی مصروف ہیں لیکن یہ مشغولیت انسان ہونے اور دردِ دِل کا درماں کرنے کی خلش کو پُر نہیں کر پا رہی۔

جھوٹی ادائیں تیری ہمیں دھوکہ دے گئیں
تو، تو وفا کی ہار ہے سچ ہے یہی مگر

برتاؤ مجھ سے کیوں ترا بالکل بدل گیا
بنتا تو میرا یار ہے، سچ ہے یہی مگر

☆

اور

''کمی ہو چلی ہے بے غرض محبت کی اس دُنیا میں''

اکیسویں صدی کے طلسمات کی ترجمانی کرتے ہوئے، نت نئ ایجاد ہونے والے جادوئی کمالات نے احساسِ مروّت، وفا، محبت اور دوستی کے معنی ہی بدل دیئے ہیں۔ ایسے میں عورت کا وجود اپنے اطراف اشیاء کے جنگل میں بستے انسانوں سے اس خلوص اور

محبت کا متمنی ہے، جسے محسوس کرنے کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔

تُو زمیں کے خواب چھوڑ اور آسماں کی بات کر
اب نئی دنیا میں رہ کر دو جہاں کی بات کر
زورِ بازو پر بھروسہ تجھ کو ہے اپنے اگر
اس زماں کو تو بدل دو جے زماں کی بات کر

☆

پردیس اور دیس کے تلازمے گھر کی یادوں کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں۔ گھر کا تصور ثمرین کے احساس میں آج بھی اپنے زمان و مکان کے ساتھ ایستادہ ہے۔ وہ گلی، مکان اور اس کے در و دیوار کے ساتھ مکینوں کی محبت کو بھی بہت سہل انداز میں بیان کر دیتی ہیں اور قاری کو اس احساس کی کسک چٹکیاں لیتی محسوس ہوتی ہے جو دیارِ غیر میں بسنے والے ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

☆

میں تھک گئی ہوں ڈھونڈ کے تیرا پتا ثمرؔ
گھر تیرا کس گلی میں ہے اور کس مکاں میں ہے

☆

آ کے پردیس میں یاد آیا وطن گھر اپنا
وہ جہاں اپنا محبت کا سمندر اپنا
در و دیوار مکینوں کا کہاں بھول سکے
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

☆

ثمرین کا اُسلوب مشاہدے اور احساس کے ساتھ تجربات و حوادث سے بھی پُر ہے۔ وہ اپنی ذات اور تشخص کے ساتھ دُنیا اور دل کے معاملات کو بخوبی اشعار کے موتیوں میں پرو کر پیش کر دیتی ہیں۔ ان اشعار میں روایتی تراکیب کو نئی معنویت سے ہمکنار کر کے انھیں عصری اور نسائی حسیت سے مزین کر دیا ہے۔

کم نصیبی کا زمانہ میں گزار آئی ہوں
مل گیا آج مجھے میرا وہی در اپنا

☆

ذہن میں ایک انوکھا سیلِ رواں ہے گزرا
جیسے اس دل میں دہکا اک شعلۂ بجاں ہے
ظلم میں تیرے اور سہوں کتنے اے ظالم؟
یہ دل ہے مرا اور تیری نوکِ سناں ہے

☆

ڈالنا چاہتی ہوں میں کمند ستاروں پر ہی
میری تمنّا کتنی بے پایاں اور بے کراں ہے

☆

ہے عجب کتنا یہ سپنوں کا جہاں اب سارا
دل میں میرے ترے دھرنے پہ کوئی قید نہیں

☆

خونِ ناحق ہے یوں بہا یہاں پر مدعی کوئی نہیں
یہ سراغ لگانے پر جو لگا وہی قاتل تھا

☆

یہ خواب میں سنبھالوں کہاں اور رکھوں کہاں؟
سپنا مرا دریچوں کے اب درمیاں میں ہے

☆

محبت تو اُترتی آسماں سے ہے
تعلق اس کا ہر عہد و جہاں سے ہے

☆

وقت چلتا رہا رک نہ پایا کہیں
دے نہ پائی مجھے عمر رفتہ حساب

☆

چھوڑ قصہ پرانا، کچھ نئی بات کرو
لوگوں کو تم اب بھُولو، مری بات کرو

☆

حسین گھاؤ ہے گرچہ بہت ہی گہرا ہے
کہ زخم دینے پہ کوئی سزا نہیں ہوتی

☆

مسیحا اچھا ہو پھر بھی شفا نہیں ہوتی
مریضِ عشق کی کوئی دوا نہیں ہوتی

☆

رگ رگ میں جاری ایسا غمِ ہجر ہوگیا
اوپر تلک ہو جیسے صراحی کا منہ بھرا

☆

ثمرین ندیم ثمؔر کا دُوسرا شعری مجموعہ ''آرزو کا دِیا'' احساس کی تپش اور دل کی ان کہی حکایات کا مجموعہ ہے۔ اپنے عہد اور عہد قدیم کے تلازموں کو نت نئے پیرائے میں پیش کرتے یہ اشعار ان کی فکری ریاضت اور سخن فہمی پر دال ہیں۔ ماضی اور مستقبل کا احساس لئے ان کی شاعری خواتین شاعرات میں ان کی انفرادیت کو منوائے ہوئے ہے۔ دوسرے شعری مجموعہ کی اشاعت پر انھیں مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

ڈاکٹر ذکیہ رانی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو

جامعہ کراچی

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم
(خدائے سخن میر تقی میرؔ)

تاثرات

اچھے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ان میں جزیات اور الفاظ کا چناؤ ایسے کیا جائے جو مشکل سے مشکل مضمون کو با آسانی موتیوں کی طرح پرو کر اپنے فن کا لوہا منوائے اور ثمرین ندیم ثمرؔ کی شاعری میں زندگی کے تمام رنگ شفاف اور خوبصورت انداز میں نظر آتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کی الفاظ اور احساسات ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔

دراصل جو شاعر اپنی ذات میں سچا اور کھرا ہوتا ہے وہ اپنی فطری بے ساختگی کو روک نہیں پاتا اور یہ خصوصیات ثمرین ندیم کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان کا ایک شعر:

گردن میں خم ہے طوق ہے پاؤں میں بیڑیاں
ٹکڑے زمیں پہ کانچ کے بکھرے ہیں جا بجا

یہ شعر، ان کے اندرونی جذبات، احساسات کی غمازی کرتا ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ایک شعر:

اسی کے دم سے ہے انسانیت باقی
خدا کا دین اور رحمانیت باقی

مذکورہ شعر میں ادائیگی، عقیدت، خدا کی وحدانیت اور اسکی رحمتوں کی ترجمانی کمال انداز میں پیش کی گئی ہے۔ثمرین شاعری کے ذریعے دنیاوی انسانی اور روحانی اصطلاحات کوایک طرح سے دریا کوکوزے میں بند کرنے کےفن سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے لیے دعائیں کہ وہ اسی طرح اپنی صلاحیتوں کو بامِ عروج پر پہنچائیں۔

بہت نیک خواہشات ان کے ساتھ

عبدالسلام عارف (کینیڈا)

ثمرین ندیم ثمرؔ کا دُوسرا مجموعۂ کلام

محترمہ ثمرین ندیم ثمرؔ کا دُوسرا مجموعہ کلام پیشِ نظر ہے۔ اس سے پیشتر ان کا پہلا مجموعہ ''خوشبوئے خیال'' کے نام سے پچھلے سال شائع ہو چکا ہے۔ ان کی یہ کتاب تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں سو کے قریب غزلیں اور کچھ نظمیں بھی شامل ہیں، جن میں اظہارِ خیال چھوٹی بحروں اور نہایت سہل انداز میں کیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتدا حمد اور نعت سے کی گئی ہے۔

''خوشبوئے خیال'' کو چھپے ابھی شاید سال بھر نہیں ہوا، اور ان کا دوسرا مجموعہ '' آرزو کا دیا'' اشاعت پذیر ہے۔ اتنی جلدی ان کے دوسرے مجموعے کی اشاعت پر حیرانی اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے دو چار ہوں۔ اس سے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ثمرین ندیم ثمرؔ بطور ''زود گو شاعرہ'' سامنے آئیں ہیں۔ کسی کتاب پر تبصرہ کرنا ایک طرح کی گواہی ہے، لہٰذا میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ کوئی رائے دے سکوں۔ اس کتاب پر حتمی رائے اساتذہ ہی دے پائیں گے، جو کہ ان کی کتاب پر گواہی ہوگی۔ اس میں دو آراء نہیں کہ ثمرین ندیم ثمرؔ اپنے ادبی سفر کی جانب تیزی سے گامزن ہیں۔ ثمرین ندیم ثمرؔ کا لہجہ اور ان کی لفظیات پر کلاسیکیت کا گہرا اثر ہے لیکن اس کے باوجود وہ معانی کی نئ جہات دریافت کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ ان کے یہ اشعار دیکھیے:

ہیں خواب گم، خیال گم، حواس گم
کہاں کہاں ہوا مرا قیاس گم
ثمرؔ کھلیں اُمید کے یہاں گلاب
کہ بے حسی کا ہو رہے لباس گم

شعر میں یہ الہامی کیفیت کچھ یونہی نہیں پیدا ہو جاتی بلکہ اس کے پیچھے شاعر کی محنت اور ریاضت ہوتی ہے بقول امیر مینائی:ـ

خشک سیروں تن شاعر میں لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعۂ تر کی صورت

ثمرین کے اشعار میں جو چیز ہمیں فوراً متوجہ کرتی ہے وہ ان کے لہجے کی سادگی ہے۔ان کے یہ اشعار دیکھیں:ـ

تو آ کے بڑھا جائے کبھی مان ہمارا
مشتاق ترا ہے دل ویران ہمارا

قسمت ثمرؔ آنے سے کھلی آج شجر کی
اس پالنے والے پہ ہے ایمان ہمارا

ثمرین کی غزل کے کچھ اور اشعار:

جدا تو ہیں مگر، ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے
جہاں کو ہے خبر، ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

جہاں میں ہو رہا ہے کیا ہمیں تو کچھ خبر نہیں
ہر اک سے بے خبر ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

گزر رہی ہے زندگی اب آپ کے فراق میں
ہوئی ہیں آنکھیں تر، ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

تلاش آپ کو کیا جگہ جگہ نگر نگر
اکیلی ہے ثمرؔ ،ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

اپنی شاعری کا حوالہ کچھ یوں دیتی ہیں:

شاعری میں وہ خیالات قلمبند کیے
آج دنیا میں ثمرؔ چرچا ہے گھر گھر اپنا

یقیناً جب اساتذہ ان کی کتاب پر اپنی رائے دیں گے، تب ان کی شاعری کا مقصد، اس کے کارنامے اوراس کی قدرو قیمت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے گا اور پھر یہ دیکھنا ہو گا کہ اصول مدعا میں اسے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ ثمرین کی شاعری کا چرچا دنیا بھر میں ہوتا رہے۔

اس دعا کے ساتھ کہ اللہ کریم مزید ترقی، سرفرازی اور سرخروئی عطا کرے۔

آمین ثم آمین

اشتیاق میر

لیڈز (یو کے)

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

(مرزا اسداللہ خاں غالبؔ)

حرفِ ثمر

شاعری میرے بچپن کا اوّلین شوق ہے اور مجھے وراثت میں ملا ہے۔میری زندگی کی قوسِ قزح میں بکھرے ہوئے سب سے خوبصورت رنگ کا نام 'شاعری' ہے۔

جیسا کہ میں نے اپنے پہلے مجموعہ کلام ''خوشبوئے خیال'' میں ذکر کیا تھا کہ مجھے ہمیشہ سے شعروشاعری سے شغف رہا ہے اور گاہے بگاہے میں اپنا یہ شوق پورا کرتی رہی ہوں۔

اب پچھلے چند سالوں سے باقاعدہ عروض سیکھنے کے بعد سخن وری جاری ہے۔شاعری میرے لئے میری روح کی پرواز ہے اور مجھے شاعری ایک بلندترین مقام تک لے جاتی ہے، جہاں میں اپنے آپ کو بہت اہم محسوس ہونا شروع ہوجاتی ہوں اور زندگی کے بہترین و بامقصد ہونے کا یقین ہوجاتا ہے۔اظہارِ سخن میری ذہنی قوّت وتخیل کی پرواز کا نام ہے۔لفظوں کے اس خوبصورت کھیل میں تناسب حاصل کرنا ہی اصل خوبصورتی ہے اور اگر شعر معنویت اور گہرائی سے بھی لبریز ہو تو کیا بات ہے۔

شاعری سے میری ذہنی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔شاعری سے نہ صرف سخن ور لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ سامع بھی برابر حظ اُٹھاتا ہے۔یہ ایک دوسرے کو خوشی دینے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔یہ دلوں کے درمیان محبت واُلفت کا رستہ ہموار کرتی ہے اور ہماری روحوں کو سیراب کرتی ہے۔

جو معمور منظر رہے شاعری سے
تو عالم منوّر رہے شاعری سے
سخنور بکھیرے جو یوں خوشبو سخن کی
یہ دُنیا معطّر رہے شاعری سے

اللہ کے فضل و کرم سے، شریک حیات کی حوصلہ افزائی اور والدہ کی دعاؤں سے میرا دوسرا مجموعہ کلام ''آرزو کا دِیا'' اب آپ سب کے ہاتھوں میں ہے۔ اُمید ہے پسندیدگی حاصل کرے گا اور آپ سب احباب کچھ تبصرہ بھی عنایت کریں گے۔

بصد خلوص، کتاب آپ کی نذر ہے، اور میں بے انتہا شکر گزار ہوں محترم ڈاکٹر شاداب احسانی کی، جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں میری معاونت کی اور اپنے شریکِ حیات عبدالرحمٰن ندیم صاحب کی جن کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے دُوسری کتاب کی جلد اشاعت ممکن ہو سکی اور اپنے تینوں بچوں اور رفقاء کی، جو میری شاعری کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

اپنے شعری ذوق و شوق کو پورا فرمایئے اور دعاؤں میں یاد رکھیے کہ میرا شعری سفر مزید بہتری کے ساتھ جاری رہے۔ آمین

خیر اندیش
ثمرین ندیم ثمؔر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمدیہ رباعی

تو روشنی اپنی یہاں بکھرا دے خدا
اس زندگی کو نیکی سے چمکا دے خدا
بھر حکمتوں کے نور سے دل کو تو مرے
ہر سُو دیئے اچھائی کے جلوا دے خدا

نعتیہ قطعہ

جب جب مری زباں پہ محمدؐ کا ذکر ہو
سیرت کی خوبصورتی اندازِ فکر ہو
احمد کے نور سے ہی منوّر ہوا جہاں
دنیائے خیر میں مرے آقا کا ذکر ہو

مفرد شعر

عہد و وفا کا دم بھرتے ہیں
اپنی زمیں پر ہم مرتے ہیں

قطعہ

یونہی یکتا منظر رہے شاعری سے
یہ دنیا معطّر رہے شاعری سے
سخنور بکھیرے جو خوشبو سخن کی
دو عالم منوّر رہے شاعری سے

قطعہ

تیری آمد پہ یہ دل مثلِ چمن زار کھلے
کاش گلزار یہ دل میں یونہی ہر بار کھِلے
یوں ہی کھِلتا رہے گلشن مرے دل کا ہر دم
تیری خوشبو سے یہ آنگن مرا سو بار کھِلے

قطعہ

لفظوں میں اب تصوّر پرویا ترا
اپنے خوابوں میں چہرہ سمویا ترا
میری تحریر تیرا سراپا ہوئی
اپنے اشکوں سے دامن بھگویا ترا

قطعہ

آرزو کا دِیا جل اُٹھا
جھونکا خوشبو کا مہکا گیا
میری دنیا کو احساس نے
روپ فردوس کا دے دیا

مفرد شعر

اے بادِ صبا تھم تھم کے ذرا چل تو
اس زلفِ پریشاں کو اور نہ پریشاں کر

قطعہ

پسند کون سی دشمن کو پھر ادا آئی
لبوں پہ اس کے مرے حق میں کیوں دعا آئی
ہوئی میں پھر جونہی حیراں کہ دوست کی مانند
اُسی کے دل میں بھلائی کی اب ندا آئی
گُناہ سارے ہی اب دھل گئے ہیں نیکی سے
بُرائی کی جگہ اچھائی کی فضا آئی

مفرد شعر

ہم نے پیمانِ وفا باندھا جنم بھر کے لئے
کاش یہ عہد ہو پُورا مرا ہر ایک جنم

قطعہ

کِیا تجھ سے جی بھر کے میں نے گِلہ
نصیبوں میں میرے یہی تھا لکھا
نہیں تھا ذرا بھی پتہ وقت کا
بہت دیر سے تُو مجھے کیوں ملا؟
ترے ساتھ اب ہے حسیں یہ سفر
ثمرؔ یہ ہے تیری دعا کا صلہ

قطعہ

موسمِ برسات میں من کھِل گیا
پھر کہاں کھونے کو میرا دل گیا
زیست میری مہکی تیرے ساتھ ہی
ہاں دعاؤں کا ثمرؔ اب مل گیا

قطعہ

ہے تُو نازک گُلاب سے بھی زیادہ
پڑھوں تجھ کو کتاب سے بھی زیادہ
کہ بیاں کیسے کرسکوں تیرا میں حُسن
حسیں ہے ماہتاب سے بھی زیادہ

قطعہ

ہائے! بے چینی دل اب سمجھاؤں کیسے؟
مرے دل بے قرار تجھے میں مناؤں کیسے؟
طالب ہے جس انس و روح کا تُو دنیا میں
پھر وہ تیرے بخت میں، اب میں لاؤں کیسے؟

مفرد شعر

خودی سے پہنچا ہے انسان خود شناسی تک
کہ آشنائی ہوئی پھر جہان سے اس کی

قطعہ

آبلے پڑ گئے چلتے ہوئے صحراؤں میں
خشک لب رہ گئے بہتے ہوئے دریاؤں میں
بھاگتے بھاگتے گزری یہ مری عمر رواں
کچھ بھی رکھا ہی نہیں میری تمنّاؤں میں

محبّت

محبّت تو اُترتی آسماں سے ہے
تعلق اس کا ہر عہد و جہاں سے ہے

ہمیشہ رہتی یہ دل کے مکاں میں ہے
کہ گھر اس کا ہر اِک کے آشیاں میں ہے

یہ قابو کرتی ہے انساں کے دل کو یوں
کہ مہکاتی ہے انساں کے دل کو یوں

تو قطرہ قطرہ ٹپکے اوس کی مانند
دِلوں میں برسے بارش یوں قوس کی مانند

کہاں سے یہ کہاں تک جھلملائے ہے
جہاں بھر کو ہمیشہ جگمگائے ہے

اسی کے دم سے ہے انسانیت باقی
خدا کا دین اور رحمانیت باقی

خدا کا تحفہ انسانوں سے اُلفت ہے
یہی آپس میں ہمدردی محبت ہے

غزل

یہ زیست چراغ یا دیا ہے
تاحال ازل سے جل رہا ہے

محنت کی ہے زیست میں مسلسل
اب جو بھی ہے دور وہ مرا ہے

سو میں نے سمیٹی کامیابی
پھر وقت یونہی گزر گیا ہے

تجھ سا نہیں مل سکا ہے گوہر
ایسی تری منفرد ادا ہے

دیوانہ سمجھ کے مارے پتھر
پاگل وہی تجھ پہ تو فدا ہے

ملتی ہے مجھے ذرا سی مشکل
قسمت کا عجب یہ مسئلہ ہے

پیارا سا رچا ہے رنگِ اُلفت
خوشیوں سے مہکتی یہ فضا ہے

غزل

تجھ کو منظور ہے جو وہ مجھے منظور نہیں
زندگی کیسے گزاروں کہ کہیں نور نہیں

آپ کی ساری جفاؤں کو میں سہتی جاؤں
دل ہے مجبور ، مگر اتنا بھی مجبور نہیں

وقت کس طرح گزارا یہ بتاؤں کیسے
آپ کے آنے سے اب دل مرا رنجور نہیں

جاؤ جنّت میں وہیں ڈھونڈو حسیں حوروں کو
عالمِ فانی میں انساں ہیں ، کوئی حُور نہیں

شوق جلوے کا رہا اور نہ نظارے کا چلن
اب وہ موسیٰؑ نہ رہا اور کہیں طُور نہیں

اور کچھ حوصلہ ، ہمت کو روا رکھو تم
جلد دیکھو گے شب غم کی سحر دور نہیں

دِل دکھایا ہے زمانے نے بہت اُس کا یہاں
اب ثمرؔ خوش نظر آتی ہے پہ مسرور نہیں

دو نیم

نزدیک دور ایسے رہے بار بار کیوں
مل کر یونہی بچھڑتے رہے بار بار کیوں

اِک چاند اُترا تھا کبھی آنگن میں میرے یوں
پھر وہ سمایا دل کے ہی درپن میں میرے یوں

خوابوں ، خیالوں میں کہیں پر تو بسا ہے تُو
دنیا سے منفرد ہے تُو اور کچھ جُدا ہے تُو

دل کی یہ بستی آج بڑی مشکلوں میں ہے
ساری حیات ایسے گھری مشکلوں میں ہے

تم ہوتے ہو سوار ہوا کے ہی دوش پر
تم ہو مری بہار ہوا کے ہی دوش پر

تم نے لگا دی آگ چمن کو یہاں پہ خود
پھر تم بھی رہ نہ چین سے پائے وہاں پہ خود

اُلفت ہوئی ہے ختم انا کی لکیر سے
نسبت ہوئی ہے ختم انا کی لکیر سے

جو تم نہ ہوسکے مرے ہمدم کبھی یہاں
دل میرا لگ سکا نہ جہاں میں تبھی یہاں

قسمت کا کیا کہوں کہ ہے ایسی ستم ظریف
چھینا ہے تم کو مجھ سے ہے کیسی ستم ظریف

غزل

رابطہ توڑ لیا تُو نے بھلا مجھ سے کیوں؟
دیکھتے دیکھتے منہ پھیر لیا مجھ سے کیوں؟

غلطی ہوگئی مجھ سے یہ بتا کیا ایسی
تُو نہیں کرتا بھلا کوئی گِلہ مجھ سے کیوں؟

حوصلہ ہے تو ذرا کھل کے مرے سامنے آ
حیلہ کرتے ہوئے تُو دور ہوا مجھ سے کیوں؟

میرے اشکوں کی بھی اب قدر نہیں ہے تجھ کو
مانگتا ہے تُو محبت کا صِلہ مجھ سے کیوں؟

اب ثمرؔ ہار گئی جیتی ہوئی ہر باری
اور تُو جیت کے بھی ہار گیا مجھ سے کیوں؟

مجھ کو یقین ہے

پھر اچھا وقت آئے گا مجھ کو یقین ہے
یہ وقت اس جہان میں اب رک نہ پائے گا
راتیں غموں کی دہر میں یوں ڈھل سی جائیں گی
یہ بند سا نصیب تو پھر کھل سا جائے گا
اُلفت سکوں بکھیرے گی دنیا میں جا بجا
دل میرا لگ ہی جائے گا مجھ کو یقین ہے
دل روئے اب نہ خون کے آنسو یہاں کبھی
انساں کی ہو ہمیشہ ہی تعظیم ہر جگہ
مل پائیں سب کو ان کے حقوق اور نعمتیں
انساں کو مل سکے گی یوں تکریم ہر جگہ
گزرے بہادری سے ہی ہر پل بلا شبہ

ایسا سمے بھی آئے گا مجھ کو یقین ہے
پھر اچھا وقت آئے گا مجھ کو یقین ہے
سورج بکھیرے گا یونہی کرنیں جہان میں
خوشیوں کی ساری فصلیں فضا میں مہک سکیں
اس زندگی سے دور اندھیرے نکل سکیں
پھر جو خوشی سے بھائی سب آپس میں مل سکیں
یہ کائناتِ رنگ و بُو انساں کو دے سکیں
اِک دن سویرا چھائے گا مجھ کو یقین ہے
پھر اچھا وقت آئے گا مجھ کو یقین ہے

غزل

مرے خوابوں میں ایسا بھی نگر آیا
جہاں دیکھا وہاں تُو ہی نظر آیا

کیا ہے جب بھی میں نے استخارہ تو
مری قسمت میں تُو ہی ہم سفر آیا

تری یادوں کی پھیلی چاندنی کچھ یوں
کہ تُو آنکھوں کے درپن میں اُتر آیا

ترا ہی عکس ہے بامِ فلک پر اب
رخِ مہتاب میں بھی تُو اُبھر آیا

دعاؤں میں ترا ہے تذکرہ ہر پل
لبوں پر تُو ہمیشہ کس قدر آیا

تجھے پا کر یہ عقدہ کھُل گیا مجھ پر
مجھے دل جیتنے کا بھی ہنر آیا

تجھے سوچا ، تجھے چاہا ، تجھے مانگا
دعاؤں سے ثمرؔ اچھا ثمر آیا

غزل

خزاں میں پھر ترے آنے سے یہ بہار آئی
مری حیات میں جینے کی آرزو چھائی

مجھے گماں تھا کبھی لیکن اب یقین ہوا
ترے علاوہ یہ دنیا جہان ہے ہرجائی

ترا وجود ہے میری حیات کا ضامن
وگرنہ سارے تعلق ہوئے ہیں سودائی

زمانے بھر سے الگ ہے تُو اور کچھ نایاب
جہانِ عشق میں عنقا ہے تیری دانائی

ترے ہی دم سے ہے رونق مرے جہاں میں اب
تجھی سے میری رہِ زیست میں ہے رعنائی

ہُوا ہے جب سے مرا ہم نشیں قرابت دار
کہاں چلی گئی میری اُداسی ، تنہائی

نصیب جب سے حسیں ہاتھ اس سفر میں ہے
ثمرؔ کی زیست میں بجنے لگی ہے شہنائی

غزل

زندگی تجھ سے کیا میں نے یہی شکوہ روز
رہ گیا کچھ نہ مرے پاس ملا صدمہ روز

حوصلہ مجھ میں بہت ہے غمِ دل سہنے کا
تنگ کرتا ہے مجھے دوست مرا جذبہ روز

ہار یہ کس نے لکھی تیرے مقابل میری
میری قسمت ہے، مگر دیتی ہے چکمہ روز

پھیلی وہ لالی شفق کی ہے فضا میں ایسی
گایا کوئل نے سُریلے سُروں کا نغمہ روز

استقامت سے یہاں گزرا ہے ہر پل لیکن
مجھ میں لبریز ہوا صبر کا پیمانہ روز

میرے خوابوں کی ہے تعبیر اُلٹ کچھ ایسی
بن رہی ہے یہ کہانی کھُلا افسانہ روز

میری آنکھوں میں ترا روپ چمک اُٹھتا ہے
ہوتا ہے دِل مرا بے چارہ یوں دیوانہ روز

پھر ثمرؔ غم سے پگھلتی ہے اُسی کی خاطر
جلتا ہے شمع کی خاطر ترا پروانہ روز

غزل

تُو آکے بڑھا جائے کبھی مان ہمارا
مشتاق تِرا ہے دِلِ حیران ہمارا

جو چار لگے چاند ہیں عظمت پہ تمہاری
ان سے ہی بندھا ہے کوئی پیمان ہمارا

ہم تیرے خیالوں میں ہوئے جاتے ہیں مدہوش
دنیا سے ہٹا جاتا ہے اب دھیان ہمارا

جس دن بھی ضرورت پڑی اس پاک وطن کو
ہر فرد ہی ہو جائے گا قربان ہمارا

قسمت ثمرؔ آنے سے کھُلی آج شجر کی
اُس پالنے والے پہ ہے ایمان ہمارا

غزل

آنکھ تو نم تھی ہی اب دامن بھی نم ہونے لگا
اس ستمگر کی طرف سے وہ ستم ہونے لگا

کل تلک جو اجنبی تھا ، دھڑکنوں میں آبسا
ہاتھ تھاما اور پھر وہ ہم قدم ہونے لگا

اُس کی آنکھوں کے اِشارے جب سمجھ میں آگئے
اُس کے ہر اک حکم پر سر میرا خم ہونے لگا

اس قدر غافل ہوا جاتا ہے کیوں اے ہم سفر
دن بدن اب لطف تیرا ہم پہ کم ہونے لگا

گفتگو ہونے لگی تجھ سے نئے انداز میں
اور افسانہ محبت کا رقم ہونے لگا

اب مجھے بھی آ گئے آدابِ دنیا اے ثمرؔ
بوجھ یادوں کا تری ، اب دل پہ کم ہونے لگا

غزل

سارے شکوے گلے چل سناؤں میں آج
زخم کس نے دیئے آ دکھاؤں میں آج

سب کو معلوم ہیں یہ فسانے ترے
تیرا قصّہ کہاں پر سناؤں میں آج

چاند آیا نہ تنہا فلک پر کبھی
تیرے بن عید کیسے مناؤں میں آج

دِل دکھایا مِرا اِس زمانے نے ہائے
رشتے سارے یہاں کیوں نبھاؤں میں آج

آج بدلے میں لُوں تجھ سے گِن گِن کے یُوں
سامنے سب کے تجھ کو رلاؤں میں آج

کاش اسباب ہوجائیں ایسے ثمرؔ
آگ نفرت کی فوراً بجھاؤں میں آج

رازکھُلنے لگے۔۔۔۔

کچھ تو کہہ چپ ہے پھر اب تُو یونہی ہٹ کے ایسے
ذہن و دل میں تُو بسا ہے مرے جیسے ایسے

درمیاں فاصلے اپنے یونہی بڑھتے جائیں
جانے کو جائے بُھلا بیٹھا کہاں ہے مجھ کو

رونقِ زیست تو جاری رہے گی دنیا میں
خواب آنکھوں میں مرے کچھ یوں سمانے آئے

درمیاں تیرے مرے پیچ زمانے آئے
کاش مل جائے فراغت کا سمے دونوں کو

پھر گزر پائیں حسیں شامیں تری سنگت میں
کھویا سب کچھ ہے جہاں میں تری ہی اُلفت میں

گو محبت تری یوں دل کا سکوں بن جائے
یہ نظر دل کو گرفتار بھی کرسکتی ہے

پھر مجھے تیرا یہ بیمار بھی کرسکتی ہے
اس جہاں میں نہ ملا پھر مجھے کوئی تجھ سا

راز کھُلنے لگے اُلفت کے ، محبت کے یوں
کچھ تو کہہ اب مجھی سے پھر یونہی ہٹ کے ایسے

غزل

دنیا کی چال ڈھال کی تیزی نظر میں رکھ
نظریں تمام مختلف اپنی نظر میں رکھ

شعلے بھڑک رہے ہیں یہ دنیا جلانے کو
چاروں طرف یہ آگ بھڑکتی نظر میں رکھ

امن و امان کی ہے ضرورت جہان کو
مل جائے جس جگہ سکوں اپنی نظر میں رکھ

کوشش تو کر زمانہ بدل جائے گا ضرور
ہمت سے زندگی کو بھی گہری نظر میں رکھ

اُلفت بکھیرنے کی ضرورت سمجھ ثمرؔ
ہے نفرتیں مٹانے کی جلدی نظر میں رکھ

غزل

ترے تذکرے میری دنیا میں ایسے ہوئے
شروع اور سب ختم تجھ پر ہی سارے ہوئے

وہ موجِ جنوں تھی کہ بپھری بہت زور سے
ہوئی میں جو تنہا یوں ساحل پہ چلتے ہوئے

گزاری حیات آس میں دیکھا ملنے کا خواب
سمے گزرا تصویر کو تیری تکتے ہوئے

جنوں کی فضا تھی کہ موسم خرد کا یہاں
مکمل رہی ہوش میں ہوش کھوتے ہوئے

یہ انداز تیرے سخن کا نرالا ہے کچھ
تعجب ہوا شاعری تیری سنتے ہوئے

سفر زندگی کا ہوا کچھ زیادہ طویل
گزر جائے گی عمر رستہ بناتے ہوئے

پرستش کی میں نے تری اس قدر ہی جناب
ڈری میں خدا سے خدا اور بناتے ہوئے

ثمرؔ نیند سے کٹ گیا ہے تعلق مرا
ہوئیں مدتیں خواب آنکھوں میں اُترے ہوئے

غزل

خوشیاں بکتی ہوں جہاں ، ایسا ہے بازار کہاں
تیری مسکان کا انمول خریدار کہاں

چھوڑ کر مجھ کو مرا دل تری جانب لپکے
دل بھی ٹھہرا ہے عدو ، میرا طرفدار کہاں

اب سکوں دل کو ملے ، کیسے یہ ممکن ہے بھلا
میں کہاں ، چین کہاں اور ترے آزار کہاں

آپ کا حسن ہے آکاش کے تاروں کی طرح
ساری دنیا میں کہیں آپ سا شہکار کہاں

دِل کے دروازے ہوئے بند نہ مل پایا سکوں
چشمِ بیدار کہاں اور دلِ بیدار کہاں

کس کو میں حال سناؤں کسے میں دوست کہوں
دل کا مت پوچھیے غم ناک ہے غم خوار کہاں

اُس کے جانے سے ثمر رونقیں بے رنگ ہوئیں
گھر وہی ہے مگر اب وہ درودیوار کہاں

غزل

جانے کیوں تم مجھ کو خوابوں میں ستاتے ہو
پھر میری نیندوں کو مجھ سے ہی چُراتے ہو

اس دل پہ حکومت صرف تمہی تو کرتے ہو
میری دنیا میں بھی تم جیت ہی جاتے ہو

اب خواب سی ہونے لگی ہیں گویادیں ساری
پھر بھی تم پل پل یادوں میں یوں آتے ہو

کھو کر بھی نہ تمہیں کھو پاؤں میں یادوں سے
دل کی دنیا میں تم ہی قدم جماتے ہو

خوابوں کے طلسم کدے پر کب چلتا ہے زور
یہ دنیا تو تم اکثر آن بساتے ہو

احساس انوکھا ہے کیسا یہ جنون کا
پھر زیست کی ہر رت میں تم ہی مل جاتے ہو

معلوم ہمیں قصّے سارے مشہور ہیں جو
یہ کون سا قصّہ ہے جو تم یوں سُناتے ہو

سینوں میں تم ہی تم گویا کہ سمائے ہو
ہر لحظہ لئے سپنے تم مجھ کو دکھاتے ہو

تجھ سے تو ثمرؔ نے وفاداری کی ساری عمر
مجھ دل کے نہاں خانوں میں تم ہی سماتے ہو

صبحِ نو

میری آنکھوں میں جو آنسو موتی سے لہرا گئے
اور رنج و غم اور سُونا پن پھیلائی اس تنہائی سے
جو یاد کر کے زیست کی رعنائیوں کو
اب ستارے میری آنکھوں میں اُترتے جا رہے ہیں
کچھ قیامت خیز لمحوں کے حوالے بن گئے ہیں
اس مقدّر سے کبھی تو دور ہو گی تیرگی
میرے نصیبوں میں کبھی تو آسکے گی صبحِ نو
پھر زندگی میں کُھل سکے گی شیرینی
اب روشنی کی چاہ میں جو عمر ساری گزری میری
نور کے پیچھے، چراغِ دل کو روشن کر دیا ہے

اِس دیئے کی لَو سے سُلگائے سبھی بجھتے دیئے
اب جگنوؤں کی میں نے کی جو آرزو ہے
پھر یہاں کچھ تتلیاں منڈلائیں میرے چارسُو
پھر ہوگئی عمدہ سفر کی ابتدا
یوں پھر دمک پائی مری یہ زندگی پوری طرح
جو آسرا مل جائے خوشیوں اور تمنّاؤں کو یہاں پر
ایک دن پھر صبحِ نو ہو جائے ہم تم
مل سکیں دنیا جہاں کی ڈھیروں خوشیاں ہی یہاں
پھر سے مقدّر میں سمائیں یہ زمین اور آسماں
تو ہو سکے اِک اور سفر کی ابتدا

غزل

آتا رہا ہے ذہن میں تیرا خیال بھی
گزرے تری اُمید پہ پھر کتنے سال بھی

فن کون سا ہے جس میں تُو ماہر نہیں مگر
ظاہر ہوا جہاں میں تیرا یہ کمال بھی

آئینے کا وجود ترے دم قدم سے ہے
وہ راج دھانی تیری لئے ، حُسن و جمال بھی

دے پائی میں جواب نہ دنیا کو آج تک
اُٹھتے رہے ہیں مجھ پہ انوکھے سوال بھی

ہر حربہ آزمایا مرے روسیاہ نے
پھینکا مرے رقیب نے اِک مایا جال بھی

آنے نہ دے وہ حرف کبھی اپنی ذات پر
اور زندگی گزارے ثمرؔ بے مثال بھی

غزل

وہاں اب صبحِ نو نے آ کے پھیلایا اُجالا
جہاں چھایا ہوا تھا بس اندھیرا ہی اندھیرا

جہاں میں مل گیا ہمت کا یہ انعام ایسا
رہا کوئی نہ میرا خواب ادھورا اور نہ آدھا

سیاہی دُور کرنے کی جو ہمت کی ہے میں نے
مرے اس حوصلے سے چارسُو پھیلا سویرا

زمیں تکتے ہوئے تارے نظر میں آئے ایسے
کیا میں نے ستاروں پر بہت دن تک گزارا

ملی تعبیر خوابوں کو رفاقت میں تمہاری
میں نازاں ہوں کہ تم ہو آج بھی میرا نصیبا

دیا قسمت نے میرا ساتھ دنیا میں بجا ہے
مگر محنت سے میں نے ہے نصیبے کو سنوارا

خوش و خرّم ثمرؔ کو رکھ ہمیشہ زندگی بھر
ہمیشہ زیست میں تُو کامرانی دے خدایا!

غزل

پھر جدّتِ خیال سے جاگی ہیں اُنگلیاں
لکھ لکھ کے رات بھر مری دکھتی ہیں اُنگلیاں

رو میں حسیں خیالوں کی بہتے ہوئے یوں ہی
کیا خوب تانے بانے یہ بُنتی ہیں اُنگلیاں

زورِ قلم خدا کرے ہو اور زیادہ اور
جو چل پڑیں تو کب کہیں رکتی ہیں اُنگلیاں

جب سے بہارِ شاعری کی دِل میں آئی ہے
بس روز و شب ہی لکھتی لکھاتی ہیں اُنگلیاں

پاؤ گی جھوٹ لکھنے پہ انگوٹھیاں ثمرؔ
حق گوئی کے جواب میں کٹتی ہیں اُنگلیاں

سمندر کے کنارے

سمندر کے کنارے سیپیوں کی کھوج میں
کچھ پھول گیلے ساحلوں پر مل گئے
گو منتظر تھے قدرداں کے وہ
کہ کوئی تو اُنھیں ساحل سے چُن کر ہاتھ میں
گجروں کی صورت میں سجائے
اِک گلستاں تھا سجا ساحل کی گیلی ریت پر
تھے منتظر!
راہوں کو وہ تکتے ہوئے
لیکن کوئی آیا نہیں
سورج سمندر میں اُترنے کیا لگا

سب پھول مُرجھانے لگے
پتّوں کی صورت وہ
بکھر جانے لگے
جو مل نہ پایا قدرداں اِک بھی
تو پھر پہچان اپنی کھو گئے
خوشبو سے بھی محروم وہ ہونے لگے
اور پھر سمندر جب چڑھا
تو اپنی رو کے ساتھ اُن کو بھی بہا تا لے گیا
آدھے اَدھورے خواب بھی جیسے
بکھرنے میں ہوں وہ مصروف
پھر اِک موج نے جو آدبوچا
تو سبھی پہچان اپنی کھو گئے
موجوں کا حصّہ ہو گئے

غزل

نگاہ میں مری یہ خواب روز آتے ہیں
بنا کہے یونہی آنکھوں میں ٹھیر جاتے ہیں

ہے چاہ جاگتی آنکھوں سے دیکھنے کی مجھے
وگرنہ سپنے تو اشکوں میں بہہ ہی جاتے ہیں

تمھی سے ملنے کی اِس آرزو میں کچھ ایسے
تمام عمر ہمیں لوگ آزماتے ہیں

ترا خیال مہکنے لگے یوں من میں مرے
کہ یاد میں تری تارے بھی جھلملاتے ہیں

نہ عشق ہو کسی کو اس قدر جو دنیا میں
محبتوں میں تو جانوں پہ کھیل جاتے ہیں

ترا خیال تعاقب میں ہے ثمرؔ یعنی
جو دن گزارے ترے ساتھ یاد آتے ہیں

غزل

مجھ میں اب پہلے جیسا جنوں بھی نہیں
تُو نہیں میرا اب یہ فسوں بھی نہیں

وقت تھم سا گیا ہے ترے بن مرا
اور ترے آنے پر اب سکوں بھی نہیں

غم جدائی کا گھائل مجھے کر گیا
میں حواسوں میں کیا اب رہوں بھی نہیں

عشق صادق ہے خود پر یقیں ہے مجھے
پرچمِ شوق اب سرنگوں بھی نہیں

کوچۂ عشق میں عقل کس کام کی
تُو خردمند دیوانہ یوں بھی نہیں

اب ثمرؔ کیسے اقرار و انکار ہو
تیری ہاں بھی نہیں اور ہوں بھی نہیں

غزل

ہواؤں میں تری خوشبو ہے اب رچی
نگاہ میں تری تصویر ہے بسی

تجھے ہوا نے چھُوا جو یونہی مگر
مرے خیالوں میں کچھ گُدگُدی مچی

زبان نے تری دیوانہ جو کیا
ہے چاشنی تری باتوں میں پھر گھُلی

یہ ہے دعا کہ ملے پھر قبولیت
نصیب ہو مجھے محبوب کی گلی

مِلا نہ پھر ترے جیسا یہاں کوئی
ثمرؔ نے کھوجی محبت یوں ہر گھڑی

غزل

بچ نہ پائی زباں کی تری دھار سے
ہوگئی قتل میں لفظوں کی مار سے

تجھ سے رشتہ نہ قائم رہا دیر تک
میں تھی بیزار لہجے کی تلوار سے

بوئے نفرت کو خاکِ محبت سے میں
پھول کو چھین لوں گی مرے یار سے

کھل رہا ہے چمن آرزو کا مرا
گُل برسنے لگے اب تو گفتار سے

دوستی پھر ہوئی تیری میری خدا
لڑ گئی تیری خاطر میں سنسار سے

ہوگا چرچا جہاں بھر میں اس قتل کا
آپ کے ہی لئے لٹکی ہوں دار سے

ہوگیا ترکِ اُلفت ضروری ثمرؔ
جان چھوٹے ہمیشہ کے آزار سے

غزل

یہ بڑائی کہ ہو سب سے ہی دوستی
لوگوں کے درمیاں پُل بنے دوستی

ہم پہ انسانیت کا بھرم فرض ہے
انس پر ایسے واجب رہے دوستی

ایسے اپنائیت بانٹیں اس دہر میں
بوئے اخلاق مہکی رہے دوستی

کرتی ہوں میں ہمیشہ دعا اے خدا
تاقیامت سلامت رہے دوستی

کام آئیں جو اِک دوجے کے ہم یہاں
بس حقیقت میں پھر اہم ہے دوستی

وقت جو ہم نکالیں یوں سب کے لئے
پھر ثمرؔ واقعی آملے دوستی

غزل

بن گیا میرا افسانہ قصّے سے یوں
اب مری زندگی زندگانی ہے یوں

اب ہُوا لازمی تیری پُوجا کروں
مجھ میں تُو بس رہے تا ابد ایسے یوں

بھولنے کی کہاں ہے جگہ دل میں اب
خانۂ دل ترے قبضے میں سِسکے یوں

یاد رکھ پائی میں کچھ نہ تیرے ستم
تیرے ہاتھوں بہت ظلم ہیں جھیلے یوں

کاش اب مل سکے دل کو ہی کچھ سکوں
پھر ثمرؔ بے قراری نہ اب پھیلے یوں

غزل

خوشبو کا ایک جھونکا جو پیکر میں آ گیا
دستک دیئے بغیر مرے گھر میں آ گیا

نیکی کے راستے پہ ہوئی جب میں گامزن
مجھ کو سکونِ قلب یوں دم بھر میں آ گیا

اس درجہ شاعری کی رفاقت ہوئی نصیب
میرا وجود گہرے سمندر میں آ گیا

ذرّے میں آفتاب جھلکتا ہے جا بجا
مہتاب آج کیوں ترے چکّر میں آ گیا

شامل ہوا ہے یوں سفرِ زندگی میں تُو
دل میرا آج سینۂ دل بر میں آ گیا

اُردو زبان کی ہے یہ تاثیر دیکھیے
سیلاب روشنی کا ہر اِک گھر میں آ گیا

غزل

نفیس و مہذّب زباں ہے ہماری
ہمیں ہے یہ اُردو زباں سب سے پیاری

جھڑیں پھول جب یہ رواں ہو زباں پر
مہکنے لگیں پھر فضائیں یہ ساری

سلاست روانی ہے اُردو زباں میں
قصیدے ہیں سب کی زبانوں پہ جاری

کہیں شاعروں نے بہت نظمیں، غزلیں
بہت عمدہ ہیں اس کی اصناف ساری

کہ اس کے ہی دم سے ہے رونق یہاں پر
یہ ہے جان ان محفلوں کی ہماری

محبت مجھے ہے یوں اُردو زباں سے
ثمرؔ واقعی ہے یہ اُردو ہماری

غزل

جب سے ہمارے آپ تصوّر میں آئے ہیں
کتنے حسین آنکھوں نے سپنے سجائے ہیں

اِتنے دنوں کے بعد نظر آئے ہیں جناب!
اِس دل نے آپ کے لئے نغمے بھی گائے ہیں

پھیلی مہک تمام جہاں میں جو آپ کی
میرے خیال و خواب میں تو آپ آئے ہیں

عمرِ عزیز گزری تری یاد میں تمام
تیرے خیال میں بہت آنسو بہائے ہیں

تم زندگی کی بھیڑ میں گُم ہو گئے کہاں؟
اب کے ثمؔر نے وعدے کئی پھر نبھائے ہیں

غزل

لہو سے سینچ کے ہم نے چمن نکھارا ہے
جہاں میں اپنا گلستاں بہت ہی پیارا ہے

یہ سرزمین ہے سب کی سبھی خیال رکھیں
وگرنہ سب کا خسارہ ہے بس خسارہ ہے

ہمیشہ سے ہے ہماری جو تاک میں دشمن
ہم اُس سے جنگ کریں گے وطن ہمارا ہے

سوائے رب کے کوئی بھی نہیں یہاں منصف
ہمارے پاس نہ اب اور کوئی چارہ ہے

مرا وطن ہے سلامت رہے قیامت تک
ثمرؔ مرے تئیں اب تو دعا سہارا ہے

غزل

ترے فراق میں جو چشمِ تر ہوئی میری
یہ زندگی تو غموں میں بسر ہوئی میری

نہیں تھے تم متوجّہ اگر مری جانب
بتاؤ کیسے تمہیں کب خبر ہوئی میری؟

کی اِلتجا میں نے ربّ کریم سے آخر
کہ زندگی کی یہاں پھر سحر ہوئی میری

خدا کا شکر ہے اشکوں کا رک گیا دریا
کوئی تو بات تمہیں دردِ سر ہوئی میری

یہ وقت کتنا ہے ظالم بیان سے باہر
اکیلے خامشی سے ہی گزر ہوئی میری

ثمرؔ نے راہِ حیات اختیار کی ایسی
تمام عمر یوں سیدھی ڈگر ہوئی میری

غزل

تمہارے اشکوں سے میں دل کو صاف کرتی ہوں
میں آج ابھی تمہیں دل سے معاف کرتی ہوں

مری حیات میں تم آگئے ہو بن کے شمع
تمہارے گرد ہمیشہ طواف کرتی ہوں

خطاؤں کو نظر انداز کیوں کیا تیری
مرا قصور ہے میں اعتراف کرتی ہوں

نہ کرسکوں میں بُرائی کسی کی یا اللہ!
میں ایسی باتوں سے اب انحراف کرتی ہوں

نہ ایک لفظ حمایت میں تیری کہتی ہوں
نہ کوئی بات میں تیرے خلاف کرتی ہوں

سیا ہے اپنے لبوں کو کہاں میں نے
ثمرؔ میں آج نیا انکشاف کرتی ہوں

غزل

ترے ضمیر کو اب میں جگا کے چھوڑوں گی
سُخن کا معجزہ تجھ کو دِکھا کے چھوڑوں گی

تمام عمر میں روئی ہوں تیری یادوں میں
مگر میں اب کے تجھے بھی رلا کے چھوڑوں گی

عبث یہ مجھ سے زمانہ ہوا ہے بیگانہ
میں اس زمانے کو اپنا بنا کے چھوڑوں گی

اگر نہ قدر ہوئی میرے اس ہنر کی یہاں
تو یاد رکھنا میں اِک حشر اُٹھا کے چھوڑوں گی

تمہارے ساتھ گزاروں گی زندگی اپنی
میں اپنے حال کو ماضی بنا کے چھوڑوں گی

گزاری عمر جو بے اعتباری میں اب تک
ثمرؔ میں اب کے تجھے آزما کے چھوڑوں گی

غـــزل

آج مجھ کو کہنا تھا ہی کچھ الگ
کہہ نہ پائی سب سے میں تھی کچھ الگ

سوچنے میں اِس قدر غافل ہوئی
ذہن الگ تھا ، اور دِل بھی کچھ الگ

میرا منصوبہ رہا کچھ اور ہی
پر رضا تھی میرے ربّ کی کچھ الگ

کس قدر ہے ذہن و دل میں اختلاف
دونوں کی ہے ذمّے داری کچھ الگ

میں زمیں پر کوششیں کرتی رہی
عرش والے کی تھی مرضی کچھ الگ

میں ہوئی رسموں ، رواجوں کے خلاف
پھر ہوئے مجھ پر ستم بھی کچھ الگ

گر ثمرؔ کو آسرا مل جائے تو!
ہو تری خدمت گزاری کچھ الگ

غزل

میری دعاؤں میں مرے مولا اِتنا اثر دے
گھر کو میرے ہر پل ہی خوشیوں سے بھر دے

اِک تارا ہی چوکھٹ پر مری آیا مجھے ملنے
میرے گھر کے سورج کو کوئی ذرا خبر دے

ہاں! مشہور ہی ہوجاؤں میں اِک دن دنیا میں
پھر یہ ذوقِ سخن وری میری حیات میں بھر دے

چشمۂ نُور طلوع نیا ہو یوں ہمارے لئے
پھر وہ ہمیشہ ہی پیاری اُمیدِ سحر دے

تیری محفل میں ہو ہر جا میرا ہی چرچا
میرے ایثار کا مرے خدا پھر یوں ثمر دے

غزل

میری نیّتِ دِل کا اے دوست تجھے اندازہ نہ تھا
جو بھگتا میں نے میری غلطی کا خمیازہ نہ تھا

وہ گُل جو تُو نے آج بچھائے راہوں میں ہمارے
پھر ان میں سے ایک بھی گُل پہلے جیسا تازہ نہ تھا

سامنے سے تُو میرے گزرا پر مجھ کو نہ دیکھا
اب تک ایسا جیون میں مرے کوئی شہزادہ نہ تھا

تیری شگفتگی میں کوئی کمی نہ آئے جیون بھر
ویسے ثمرّہ ایسا بھی طالبِ سُرمہ و غازہ نہ تھا

غزل

تُو اس طرح سے قریہ جاں میں شامل تھا
دل میں تو صرف تُو اور تُو جو زندگی کا حاصل تھا

دل کے ویران دریچوں میں تُو خوشبو بن کے مہکا
صرف تیرا دل ہی مرے دل کے قابل تھا

غمِ دل نے کہا غمِ دنیا سے کہ کیا غم ہے
پر تُو اس غم کو خوشی کرنے میں حائل تھا

کمی ہو چلی ہے بے غرض محبت کی اس دنیا میں
پر تُو تو بہت ہی کھُلے دل کا حامل تھا

خونِ ناحق ہے یوں بہا یہاں پر مدعی کوئی نہیں
یہ سُراغ لگانے پر جو لگا وہی قاتل تھا

ہر پل جو مدد کی میں نے مصیبت والوں کی
آ جائے ثمرؔ سامنے جب بھی کوئی سائل تھا

غزل

چلو پھر سے بہار آئی مجھے یاد آ گئے پھر تم
سبھی رنگوں میں ڈھل کر کس طرح سے چھا گئے پھر تم

خبر آئی تمہارے آنے کی تو جھوم اُٹھی میں یوں
فضا میں چار سُو رنگینیاں بکھرا گئے پھر تم

تمنّا ہے تمہیں چاہوں ، تمہیں دیکھوں ، تمہیں پُوجوں
مرے سپنوں میں ، خوابوں میں سمانے آ گئے پھر تم

تمہی پر شاعری لکھوں، تمہارے گیت میں گاؤں
لہو بن کے مری نس نس میں کیسے آ گئے پھر تم

مرا پل پل گزرتا کس طرح ہے کیا بتاؤں میں
مری نظروں میں آ کر وقت کو ٹھہرا گئے پھر تم

ہواؤں نے پلٹ کر رکھ دیئے اوراق ماضی کے
ثمرؔ کی زندگی میں کیوں سمانے آ گئے پھر تم

غزل

نہیں ممکن کوئی بن موت ہی مارا جائے
مجھ کو اِس عہد کا سلطان پکارا جائے

لوٹ کر آجا ہمیں چھوڑ کے جانے والے
تیرے جانے سے کہیں مان ہمارا جائے

ظلم کی حد سے گزرتا ہے تو یہ سوچ ذرا
یہ نہ ہو کل تجھے مسند سے اُتارا جائے

میری خواہش ہے ہر اک میرا ہی پرچار کرے
قریہ قریہ مرا ہی نام اُبھارا جائے

کاٹ لی میں نے سزا سچ کی طرفداری کی
اب مجھے وقت کی سُولی سے اُتارا جائے

اے ثمرؔ! اس کو بھُلا دینا ہی بہتر ہوگا
خود کو کیوں یاد کے صحرا سے گزارا جائے

غزل

تُو آ کے بڑھا جائے کبھی مان ہمارا
مشتاق ترا ہے دلِ حیران ہمارا

جو چار لگے چاند ہیں عظمت پہ تمہاری
ان سے ہی بندھا ہے کوئی پیمان ہمارا

ہم تیرے خیالوں میں ہوئے جاتے ہیں مدہوش
دنیا سے ہٹا جاتا ہے اب دھیان ہمارا

جس دن بھی ضرورت پڑی اس پاک وطن کو
ہر فرد ہی ہو جائے گا قربان ہمارا

قسمت ثمرؔ آنے سے کھُلی آج شجر کی
اُس پالنے والے پہ ہے ایمان ہمارا

غزل

جاگ اُٹھیں خواہشیں، خواب روشن ہوئے، خوش ہوا دل ترے مسکرانے کے بعد
مل گیا دل کو اب چین و سُکھ پھر مری زندگی میں یوں اب تیرے آنے کے بعد

چاندنی کی طرح چمکے تُو میرے دل کے فلک پر تری دید ہو اس طرح
جاگ جائیں سبھی خواہشیں آج تو من میں میرے، ترے جھلملانے کے بعد

خوب اُمیدیں لگائیں میں نے تجھ سے اپنی حیاتی کی خاطر تری چاہ میں
ہوگئیں ہیں وہ سب پوری تیرے یوں دل کے نہاں خانوں میں اب سمانے کے بعد

آس اب ہوگئی پوری تجھ کو منانے کی اس زندگی میں ہمیشہ کی طرح
مل گئیں ڈھیروں خوشیاں مجھے رشتے میں تیرے اب ہم سفر مان جانے کے بعد

ہوگئیں اب دعائیں مری پوری بے جان سی زندگی میں ترے آنے سے
اب ثمر مل گئی اس جہاں میں محبت تجھے پھر یہاں اُس کے آنے کے بعد

غزل

اے دل تجھ میں چھُپا کیا ہے؟
تجھے آخر ہُوا کیا ہے؟

اذیت ہے جُدائی کی
مرے اندر بچا کیا ہے؟

رہے گی آرزو تشنہ
بھُلانے کی سزا کیا ہے؟

تجھے حاصل نہ کر پائی
مزا کھونے کا کیا ہے؟

چلوں میں حکم کے پیچھے
مرے ربّ کی رضا کیا ہے؟

ابھی بھی بے قراری ہے
ثمرؔ تجھ میں بسا کیا ہے؟

غزل

تعلّق ہمارا رہا مختلف ہے
مرا تیرا یہ سلسلہ مختلف ہے

تری یاد میں دن بتائے جو ایسے
محبت کا میری صلہ مختلف ہے

بدل سا گیا راہیں تو مجھ سے ہمدم
وفا کا مری راستہ مختلف ہے

حواسوں میں لیلیٰ نہ مجنوں یہاں اب
جنوں میں ترے ضابطہ مختلف ہے

جواں ہے ثمرؔ کی جو ہمت یہاں بھی
تری راہوں میں حوصلہ مختلف ہے

غـزل

کہاں یہ دل لگا ہے دوستو! ہے کون سا نگر؟
میں بھول جو گئی سبھی کو کچھ ہوا ہے کیا اثر؟

نگاہیں اُٹھ نہ پائیں جو کسی طرف نجانے کیوں؟
تو مل گئی تجھی سے ہر سمے نظر سے یہ نظر

کہاں مجھے تو لے کے آگئی یہ کس مقام پر؟
نہ ہو سکی مری اے زندگی یوں اب تری سحر

میں خاک چھانتی رہی کہ دھول اُڑتی جو رہی
چلا گیا تو چھوڑ کر مجھے ہی کیوں ، یوں کب کدھر

گزر گئی یہ زندگی ، نظر ہوئی ہے ہجر کی
نہ ہوسکی کسی کو بھی دلِ اُداس کی خبر

گزاری عمر ساری تیرے ساتھ کے بنا یونہی
کہیں بھی مل سکا نہ میرے کرموں کا حسیں ثمر

غزل

درد کی راگنی چھیڑی ہے فضاؤں میں عجب
آج سرگوشیاں ایسی ہیں ہواؤں میں عجب

کچھ نہ کر پائی ترے ناز اُٹھانے کے سوا
بھول دنیا گئی ساری میں ، اداؤں میں عجب

ظلم سہنے کی بھی عادت ہے ہمیں ظالم سُن
آج آیا ہے مزا تیری سزاؤں میں عجب

تُو جو پہنے وہ جچے تجھ پہ زیادہ ہی الگ
دِکھ رہا ہے تو حسیں اپنی قباؤں میں عجب

دِکھ رہا ہے تجھے اب ایسا یہاں کیا کیا کچھ
تُو نے دیکھا ہے کوئی تو ہے خلاؤں میں عجب

کام آئیں ہیں مری نیکیاں اِس طور مرے
مل گیا آج ثمرؔ مجھ کو جزاؤں میں عجب

غزل

زیست ہمت سے یہاں جی میں نے
قطرہ قطرہ یہ سمیٹی میں نے

مل نہ پایا جو سکوں دنیا میں
عمر مشکل سے گزاری میں نے

بے قراری ہے مری قسمت میں
ہجر میں عمر گنوا دی میں نے

دل ابھی تک ہے اُداس و ویراں
جھیلی ہے تیری جدائی میں نے

بجھ نہ پائی کبھی نفرت کی آگ
گو محبت ہی بکھیری میں نے

میرے لب پر ہیں دعائیں جاری
جن سے قسمت ہے سنواری میں نے

خوب سے خوب کی کوشش میں یہاں
شخصیت اپنی نکھاری میں نے

دیکھ اُلفت کے اُگائے ہیں ثمر
راہیں شاداب کیں ساری میں نے

”یونہی ہٹ کے ایسے“

ہاں کہو کچھ مجھی سے پھر یونہی ہٹ کے ایسے
ذہن و دل میں تُو بسا اور بسا ہے ایسے
درمیاں فاصلے اپنے یونہی بڑھتے جائیں
جائے تو جائے بھلا بیٹھا کہاں ہے مجھ کو
رونقِ زیست تو جاری رہے گی دنیا میں
خواب آنکھوں میں مرے کچھ یوں سمانے آئے
درمیاں تیرے مرے بیچ زمانے آئے
کاش مل جائے کبھی وقت سے مجھے بھی، مجھ سے

پھر گزر پائیں حسیں شامیں تری سنگت میں
کھویا سب کچھ ہے جہاں میں تری ہی اُلفت میں
گو محبت تری یوں دل کا سکوں بن جائے
یہ نظر دل کو گرفتار بھی کر سکتی ہے
پھر مجھے تیرا یہ بیمار بھی کر سکتی ہے
اس جہاں میں نہ ملا پھر مجھے کوئی تجھ سا
راز کھلنے لگے اُلفت کے، محبت کے یوں
ہاں کہو کچھ مجھی سے پھر یونہی ہٹ کے ایسے

اَزل سے اَبد تک کہانی

ہر انساں مسافر ہے دنیا بھی فانی
ہماری ہے یہ زندگی آنی جانی
سمے ہے سمندر کی بہتی روانی
اَزل سے اَبد تک یہی ہے کہانی

ہر اِک پل ہے آتا، ہر اِک پل ہے جاتا
کوئی ایک پل کو نہیں روک پاتا
سمے پھر دبے قدموں چلتا ہے جاتا
اَزل سے اَبد تک یہی ہے کہانی

کہ صدیوں سے پھیلا یہی سلسلہ ہے
سمے کا ہی گُزرا اِدھر قافلہ ہے
گزاری حیاتی یہی رابطہ ہے
اَزل سے اَبد تک یہی ہے کہانی

گزر جاتی ہے زندگانی ہمیشہ
نہ رہ پائے کوئی کہانی ہمیشہ
مِٹا دے سمے ہر جوانی ہمیشہ
اَزل سے اَبد تک یہی ہے کہانی

گُزاری یہاں سب نے رت یہ سُہانی
نہ مِل پائے پھر وقت کا کوئی ثانی
سبھی کو ہے قسمت یہاں آزمانی
اَزل سے اَبد تک یہی ہے کہانی

غزل

سفر میرا جبھی تو معتبر ہے
مرے رہبر مرا تُو ہم سفر ہے

نچھاور زندگی میں تجھ پہ کردوں
تُو میرا سائباں جیسا شجر ہے

زمانہ چل گیا ہے چال اپنی
کسی کو اب کہاں میری خبر ہے

اندھیری راہ میں چھوڑا ہے اُس نے
وہ جس کی یاد میں پنہاں سحر ہے

ہے اُتری دل میں یہ گُفتار ایسی
تری باتوں میں کچھ ایسا اثر ہے

کوئی آتا نہیں بھولے سے جس میں
یہ میری ذات اِک ایسا کھنڈر ہے

غزل

غم تو ہے پر غم اب کم ہے
دل بہلانے کا موسم ہے

وہ پہلی سی بات نہیں اب
غم کی حدّت بھی کم کم ہے

وقت بھُلا دیتا ہے دن رات
اب دل کی دھڑکن مدھم ہے

جیون کے بارے میں سوچے
کس میں اتنا باقی دم ہے؟

تجھ کو بھُلانے کی کوشش میں
کھائی میں نے تیری قسم ہے

خود سے وعدہ اُس نے کیا تھا
آنکھ ثمرؔ کی پھر کیوں نم ہے؟

غزل

آپ ملتے ہیں بات ہوتی ہے
ہر خوشی میرے ساتھ ہوتی ہے

عشق بندے کو لُوٹ لیتا ہے
دل کی یہ واردات ہوتی ہے

آپ کا جب خیال ہوتا ہے
بے خودی میرے ساتھ ہوتی ہے

دیر تک ہم خفا نہیں رہتے
ایک دو دِن کی بات ہوتی ہے

عشق میں فرق کچھ نہیں رہتا
ورنہ یہ ذات پات ہوتی ہے

لوگ کہتے ہیں خود کلامی جسے
وہ مری تم سے بات ہوتی ہے

جب دعائیں ثمرؔ ہوں ساتھ اپنے
تب مقدّر کو مات ہوتی ہے

زندگی

زندگی اَن سُنی کہانی ہے
یہ کہانی تمھیں سُنانی ہے
زندگی کیا ہے؟ کیا بتاؤں میں
کتنے غم ہیں چھُپے دِکھاؤں میں
یہ زمانی ہے اور مکانی ہے

جس کو مل جائے پھر وہ شکر کرے
ذوق سے اپنے اُس میں رنگ بھرے
شکر کے ساتھ یہ بتانی ہے
جس کو مل جائے اُس کو قسمت سے
پھر بتانی ہے اُس کو ہمت سے
زندگی اُس کو آزمانی ہے

جھیلنی پڑتیں مشکلیں ہیں پھر
سہنی پڑتیں اذیتیں ہیں پھر
دور سے لگتی یہ سُہانی ہے
دل نہ اس میں بہت لگاؤ تم
دین سے آخرت بناؤ تم
ہاتھ سے یہ نکل ہی جانی ہے

کون آ کر رہا ہمیشہ یہاں
آئے ہیں جانے کے لئے انساں
جو بھی کچھ ہے یہاں وہ فانی ہے
ملتی ہے آزمانے کی خاطر
بس رضا ربّ کی پانے کی خاطر
بات پھر یہ کسی نے مانی ہے

سانس کے چلنے تک چلے گی زیست
تم کو پانی ہے آخرت کی زیست
ورنہ سانسوں کی ہی روانی ہے
کیا ضروری ہے خواب ہوں پُورے
ہم کو ہر طور یہ نبھانی ہے

اب حقیقت ہیں سپنے دنیا میں
ہر طرف ہیں جو اپنے دنیا میں
شادمانی ہی شادمانی ہے

زیست گزری ثمرؔ یوں تیزی سے
گزری کب ہے کسی کی مرضی سے
زندگی سب کی آنی جانی ہے
بیت جائے یوں زندگانی ہے

مفرد شعر

انبیاء اور اولیاء کا طریق شاعری
میں کہ خوش نصیب ہوں ، ہے رفیق شاعری

غزل

تیرے خیال کے سوا کچھ بھی نہیں مگر
یہ زندگی ترے بنا کچھ بھی نہیں مگر

کوشش تھی میری مل سکے تیرا ہی ساتھ پھر
مجھ کو یہاں یہ اب ملا کچھ بھی نہیں مگر

جو مل گیا رہوں میں اِسی پر ہی خوش یہاں
مجھ کو کسی سے پھر گِلہ کچھ بھی نہیں مگر

خوشیوں کی کھوج میں رہی میں عمر بھر یہاں
ہمدم تیرا کہا سُنا کچھ بھی نہیں مگر

ڈھونڈا جگہ جگہ تجھے میں نے حیات میں
پایا ہے ہجر کے سوا کچھ بھی نہیں مگر

میں نے بھرم رکھا ہے ثمرؔ تیرا اِس طرح
میری وفاؤں کا صلہ کچھ بھی نہیں مگر

غـزل

غـزل میری بکھـر جانے لگی ہے
مجھے یادوں میں تڑپانے لگی ہے

بہت مشکل ہے ملنا ساتھ تیرا
کلی یادوں کی مُـرجھانے لگی ہے

کہاں اُلجھی تھی میری زندگانی
جو تجھ سے اب سنور جانے لگی ہے

دِلِ ناداں نے ہر پَل مات کھائی
تری پھر یاد اُلجھانے لگی ہے

دِکھا تو خوبصورت خواب جیسا
کہانی میری بن جانے لگی ہے

ثمرؔ دی جو وضاحت زندگی کی
یہ قصّے میں سما جانے لگی ہے

غزل

تری اُلفت جگہ لے گی مرے دل میں کہاں پھر
گزارا وقت ہے سارا یونہی تنہا یہاں پھر

دلِ ناداں ذرا بتلا سہے گا ظلم کب تک
ہے ظالم کس قدر پل پل گزرتا یہ جہاں پھر

ہمیشہ یاد آئی تیری ہر لحظہ مجھے تو
تجھے کھو کے ملا ہے بے بسی کا یہ سماں پھر

کی عرضی پیش میں نے جو زمانے کے ہی آگے
نہ سُن پایا مرا قصّہ مگر ظالم زماں پھر

گزاری زندگی گھُٹ گھُٹ کے تیری یاد میں جو
مگر اِک دن پھٹا دبتا ہوا آتش فشاں پھر

یہاں کھویا سبھی کچھ جو ملا تھا مشکلوں سے
ہوئی حاضر تری خاطر متاعِ حرزِ جاں پھر

ثمرؔ گزرا سماں سارا تری یادوں میں ہمدم
کبھی بھی ہو نہ پائی زندگی شادماں پھر

عورت

محبت نام عورت کا
حسیں تحفہ ہے قدرت کا

اَزل سے جو اَبد تک ہے
یہ تحفہ ماں کی صُورت کا

محبت اُس کی لامحدود
کرشمہ ہے یہ فطرت کا

یہاں عورت ہے اِک احساس
وسیلہ ہے یہ رحمت کا

رکھی پاؤں تلے جنّت
کھُلا رستہ ہے جنّت کا

کرے اولاد کو پیدا
وسیلہ ہے یہ خدمت کا

ثمر ہر ماں کی صورت میں
درِ اُلفت ہے جنّت کا

غزل

مری حیات عجب امتحان ہے
کہ ربّ یہ کیسا ترا اب جہان ہے

جہان سارا مگر بے ثبات ہے
یہاں تو عارضی مرا مکان ہے

یہ دہر عارضی میری سرائے گاہ
کہ میرا ہی تو یقین و گمان ہے

کی سعی میں نے بہت آسمانوں تک
بھری یوں میں نے پھر اُونچی اُڑان ہے

چلی میں جاؤں گی دنیا سے ایک دن
حقیقی ، واقعی اِک داستان ہے

ہو فتح یاب یوں زورِ قلم سے تو
ثمرؔ مرا تجھی پر تو یہ مان ہے

غزل

اس زندگی کے ساتھی و ہمراز تم ہی ہو
جو چھپ نہ پائے ایسا حسیں ساز تم ہی ہو

میری کہانی میں بھی تمہارا ہی دخل ہے
عمرِ گزشتہ کا حسیں آغاز تم ہی ہو

تم نے ہی راہ میں مری بکھرائی نغمگی
نغمے بکھیرتا ہوا وہ ساز تم ہی ہو

اس زندگانی میں یہ سلیقے تمھی سے ہیں
ہر اِک لحاظ سے حسیں انداز تم ہی ہو

میری حیات کو ملی رعنائی تم سے ہے
سارے اِرادوں کی مری پرواز تم ہی ہو

میری تمام کوششوں کا تم ہی ہو ثمر
ہر لمحہ ، ہر جگہ مری آواز تم ہی ہو

غزل

تو ہمارا ہے لیکن ہمارا نہیں
یعنی اس زندگی کا کنارا نہیں

اب بچھڑ کے ہی تجھ سے جو غم ہے ملا
مجھ میں کچھ بولنے کا بھی یارا نہیں

ہجر میں پھر تجھے یاد ایسے کیا
میں نے پھر دوسرے کو پکارا نہیں

جھلکی چاندی مرے ان حسیں بالوں میں
پھر بھی یادوں کو دل سے اُتارا نہیں

یاد تیری مری زندگی ہوگئی
بھولنا دل کو ہر گز گوارا نہیں

بے حسی پر تری میں بھی حیران ہوں
میں نے مشکل میں تجھ کو پکارا نہیں

لوگ میری محبت کے قاتل بنے
پھر بھی میں نے کبھی دل کو مارا نہیں

خود میں واری ہوئی تجھ پہ بے اختیار
عشق میں تو بنا وارے چارہ نہیں

میں ثمرؔ ہوں محبت کی قائل مگر
اُلفتوں کا مرا گوشوارہ نہیں

شام ڈھلنے لگی

شام ڈھلنے لگی اب لوٹ کے آجا ہمدم
دل کی لَو ہوگئی تنہا یہاں اتنی مدھم
تُو لگائے مرے زخموں پہ ہی سارا مرہم
اب بنا تیرے ہے تنہا مرا سارا عالم

زیست کی راہیں نہیں دشوار مگر ہمت ہے
تجھ سے ہی خوابوں خیالوں میں نئی راحت ہے
آرزو نے دی مرے جذبوں کو اِک رنگت ہے
دہر پھر تیرے خیالوں میں حسیں جنّت ہے

زندگی تو یہیں کٹ سی گئی ان سپنوں میں
پھر نہ حاصل ہوا کچھ بھی یہاں ان راہوں میں
یاد تڑپاتی ہے ہر پل ہی حسیں شاموں میں
بٹ گئی زندگی اب ان کہے دوراہوں میں

جذبہ میرا بھی بدل سکتا ہے ناممکن کو
بھول جاؤں میں محبت کی کسی اُلجھن کو
میں سنبھالوں مرے اس دل کی نہاں دھڑکن کو
ربّ سے اب دیکھیے یوں مانگ لیا ساجن کو

اِقرأ

تُو پڑھ پھر سے اِقرأ
تری سربلندی ہے اِقرأ
ترے دن کا آغاز اِقرأ
ملے سرفرازی تجھے دنیا بھر میں
سمجھ آئے جس دن یہ اِقرأ
نکل چل تُو پھر
عِلم کے راستے پر
قدم اب بڑھا سیکھنے کی ڈگر پر

یہی حکم قرآں کی آیت سے پایا
یہی حکم اللہ نے بندوں کو بھیجا
تُو کر ترکِ آرام
کر جستجو پھر
مسخّر تُو کر عِلم کے راستوں کو
تُو اب فتح کر
دنیا کو عقل سے ہی
تُو طے کر مدارج علوم و ہنر کے
اُجالوں سے بھر دے جہاں کو
تو پھر تھام لے شمّعِ اِقرأ
ہوئے ذہن تسخیر جب پڑھ لی اِقرأ
ہے اللہ کا نام اُتری ہے اِقرأ

خوب ہمت ہے مزدور کی

خوب ہمت ہے مزدور کی
کیسی طاقت ہے مزدور کی

پیش نرمی سے آؤ ذرا
سخت محنت ہے مزدور کی

کام دنیا کا چلتا نہیں
ایسی خدمت ہے مزدور کی

کام ہو جائے کوئی غلط
پھر تو شامت ہے مزدور کی

رات دِن ایک کردے وہ پھر
یہ طبیعت ہے مزدور کی

سختی برداشت کرتا ہے وہ
یہ ہی قسمت ہے مزدور کی

اے خدا! تُو کرم اُس پر کر
ساری خدمت ہے مزدور کی

کرم فرمائیاں

پھر حوالوں سے ترے مہکے مری دنیا تمام
پھیلیں میری زندگی میں چار سُو رعنائیاں
پہلے تھیں ویران اور سُنسان ایسی یہ رتیں
پڑگئیں جب سے حیاتی میں تری پرچھائیاں
پھر مہکنے اب لگے گلزارِ رنگ و بُو یہاں
میری تنہا زندگی سے دور ہوں تنہائیاں

میرے روز و شب مسلسل پھر بہیں جُوں موجِ رنگ
زندگی میں بھر گئیں پھر رونقیں ، رعنائیاں
مل گئی اب کامیابی ، کامرانی جو مجھے
ساتھ تیرے بھر گئیں پھر رُوح کی گہرائیاں
کر گئی شاداب تیری جھلملاہٹ بے شمار
بج رہی ہیں میرے من میں ڈھول اور شہنائیاں
پھر جلایا اِک چراغِ نو مرے گلزار میں
زندگی میں ہیں مری ، تیری کرم فرمائیاں

غزل

اِس فصیل دل پہ گہری ضرب کاری
ہم نے کی پھر بھی وفا کی پاسداری

زندگی کر دی میں نے اب نام تیرے
پڑ گئیں پیروں میں پھر زنجیریں بھاری

تا قیامت چل سکے فن شاعری کا
بس لبوں پر ہیں دعائیں میری جاری

ہم سجائیں محفلیں اب عمدہ ، اعلیٰ
زندگی میں ہوگی کوشش یہ ہماری

بارگاہِ ربّ میں کی اب پیش عرضی
التجائیں ہو سکیں پوری یوں ساری

یہ سخن گوئی ہے شامل زندگی میں
ہے جو دل سے فن کی عمدہ آبیاری

جو ثمرؔ گزرا سمے شعر و سخن میں
شاعری کی مد میں محنت ہے وہ ساری

ساون جب بھی آئے گا

کوئی بھٹکتا بادل جب بارش برسائے گا
تو دھرتی کی پیاس بجھائے گا
میرا من جل تھل ہو جائے گا
بھیگی بھیگی رتیں ماحول کو رنگیں کر دیں
تیرا ساتھ اگر مل جائے
ہر موسم ہی نکھر جائے
مَن کے اندر باہر ہلچل مچ جائے
ساون ٹوٹ کے سارا برس جائے

جب بھی فضا میں قوسِ قزح بکھرے گی
تو رعنائی اپنی پھیلائے گی
پھر موسم کے حُسن کو نکھارے گی
ساون جب بھی آئے گا
تجھ سے پھر ملنے کی آس دلائے گا
سارے غموں کو بہالے جائے گا

غزل

زندگی ہے اِک آزمائش مسلسل
بوجھ سے کاندھے آدمی کے ہیں بوجھل

سخت جانی ہو شیوہ اپنا جہاں میں
اپنی محنت سے ہی ملے کام کا پھل

قطرہ قطرہ میں نے جیا زندگی کو
پھر گزارا میں نے ہمیشہ ہی پل پل

دھنس جاؤ گے حرص کے اس جہاں میں
مت لگاؤ دنیا سے دل ہے یہ دلدل

اب ثمرؔ سیدھی راہ کو چھوڑنا مت
کھول دے گا تیرا خدا راہ کے بل

غـــزل

کرتا وہ مجھ سے پیار ہے سچ ہے یہی مگر
وہ میرا غم گسار ہے سچ ہے یہی مگر

خود کو ہی کھودیا ہے غمِ ہجر میں کہیں
یہ روح بے قرار ہے سچ ہے یہی مگر

جھوٹی ادائیں تیری ہمیں دھوکہ دے گئیں
تو ، تو وفا کی ہار ہے سچ ہے یہی مگر

برتاؤ مجھ سے کیوں ترا بالکل بدل گیا
بنتا تُو میرا یار ہے ، سچ ہے یہی مگر

خوابوں میں اور خیالوں میں تو اس طرح مرے
دِکھتا تُو بار بار ہے سچ ہے یہی مگر

ہاری ہوئی یہ بازی ثمؔر جیت ہی گئی
میری یہ ناؤ پار ہے سچ ہے یہی مگر

نویدِ حیاتِ نو

سہانی ہواؤں کی ساتھی یہ شامیں حسیں ہیں
بہاروں کے پل مُسکراتے ہوئے مل رہے ہیں
نئی کونپلیں اب چٹکنے لگی ہیں
گلابی شجر کِھل رہے ہیں بہ ہر سُو
بہاروں کے اب رنگ ڈھلنے لگے ہیں
یہ پھولوں کی بستی ہے
خوابوں کی بستی
چھُپا لوں اِنھیں آندھیوں سے بچا کر

تو پالوں میں خوشیاں ہی خوشیاں
مگر دل دھڑکنے لگا ہے
کہ پھر آندھیوں کی وہ بجتی سی سیٹی
سُنائی جو پھر دے رہی ہے برابر
ہوائے سکوں اِک ذرا جو چلی ہے
تو پھر کِھل اُٹھے گل، نئی زندگی کے
محبت کے تازہ گلوں کو
خزاں کی
نظر لگ نہ جائے
خزاں کا کوئی پَل
اِنھیں چھُو نہ پائے
قبا مل گئی ہے نئی زندگی کو
نئی زندگی کی قبا جل نہ جائے

غزل

کاش مِل جائے مجھے تُو اب دعا سے
مانگوں میں تجھ کو سدا اپنے خدا سے

میں نے کوشش تو بہت کی مان جائیں
بیٹھے ہیں پھر بھی وہ کچھ مجھ سے خفا سے

مل گئی دنیا نہ مل پایا تُو ہم کو
چُور ہو کے رہ گیا دل اس جفا سے

میں نے جھیلا ہے عذابوں کو جہاں میں
بے گُنہ ہوں پر نہ بچ پائی سزا سے

کوئی دنیا میں نہیں ہے جو مرا ہو
مرتی ہوں یا جیتی ہوں تیری بلا سے

عشق کرکے چین کھویا ہے ثمرؔ نے
مل نہ پایا سُکھ اُسے اُس بے وفا سے

تجھ کو ہی دیکھوں

تیرے آنے کی خوشی ایسے دھنک بکھرا گئی
پھر فضاؤں میں حسیں اِک یاد رقصاں ہوگئی
تیری آوازیں سُنائی دے گئیں
چاند میں، سورج میں، تاروں میں، دِکھائی دے گئیں
آج موسم میں تو بکھرا ہر طرف
آج رنگوں میں تو چھلکا ہر طرف
میرے ہونٹوں پر ترا ہی ذکر ہے

ہے نگاہوں میں، خیالوں میں ہے تُو
یہ خوشی میں اتنی دیکھوں ہر طرف
پھر فلک کو دیکھوں رقصاں ہر طرف
تجھ کو کھوجوں، تجھ کو پاؤں ہر طرف
اِس جہاں سے اُس جہاں تک
تجھ کو دیکھوں ہر طرف

غزل

رگ رگ میں جاری ایسا غمِ ہجر ہو گیا
اُوپر تلک ہو جیسے صراحی کا منہ بھرا

تجھ کو جفا پہ اپنی وفا کا گماں ہوا
مجھ کو رہا نہیں کبھی تجھ سے کوئی گِلہ

ویسے تو آتے جاتے ہیں مجھ میں ہزار غم
بس اِک ترا ہے غم جو مجھے مستقل ملا

گردن میں خم ہے طوق ہے پاؤں میں بیڑیاں
ٹکڑے زمیں پہ کانچ کے بکھرے ہیں جا بجا

اب زندگی ثمرؔ یوں کسی طور بدلی ہے
اے کاش! ہو نہ کوئی مرا زخم پھر ہرا

وفاؤں کا صلہ

میں نے کیا کب کبھی پایا ہے وفاؤں کا صلہ؟
سوچتی ہوں کہ ملا کیا ہے وفاؤں کا صلہ؟

بات سے بات جو نکلی مرا دل ٹوٹ گیا
ہاتھ تیرا یوں اچانک مجھی سے چھوٹ گیا
ایک ہی بات خیالوں میں مرے آتی رہی
کروٹیں لیتی رہی نیند مری جاتی رہی
سوچتی ہوں کہ ملا کیا ہے وفاؤں کا صلہ؟

غم ترا ساتھ نبھانے کا رہے گا مجھے یوں
عمر بھر گھیرے رہیں گے گلے سارے تجھے یوں
بے رخی میں ذرا بھی اِک تری چاہت نہ رہی
خود پرستی سے تری دوست وہ اُلفت نہ رہی
سوچتی ہوں کہ ملا کیا ہے وفاؤں کا صلہ؟

رشتے اخلاص کے دنیا میں نظر آتے نہیں
ہم وفاؤں کو یہاں دِل سے نبھا پاتے نہیں
تجھ میں اب ہے نہ محبت ، نہ عنایت ، نہ وفا
اب نہ مل پائی کہیں سے بھی وضاحت نہ وفا
سوچتی ہوں کہ ملا کیا ہے وفاؤں کا صلہ؟

غزل

مسیحا اچھا ہو پھر بھی شفا نہیں ہوتی
مریضِ عشق کی کوئی دَوا نہیں ہوتی

ترے فراق کا حاصل ہے زندگی کا جبر
نمازِ عشق کوئی بھی قضا نہیں ہوتی

چمن گلاب سے معمور تھا کبھی مگر آج
یہاں کلی نہیں کِھلتی ، صبا نہیں ہوتی

ہے عشق اور بیاباں میں رابطہ مضبوط
کبھی بغیرِ سماعت صدا نہیں ہوتی

گزر رہی ہے اُسی کی پناہ میں مری زیست
میں جانتی ہوں کب اُس کی رضا نہیں ہوتی

حسین گھاؤ ہے گرچہ بہت ہی گہرا ہے
کہ زخم دینے پہ کوئی سزا نہیں ہوتی

وہ زندگی کے مرض میں ہوئی ہے قید ثمرؔ
کہ روح عشق سے اُس کی رہا نہیں ہوتی

غزل

وہ پھول جو یہاں اب تک کھِلا نہیں
وہ سبزہ جو کبھی اس جا اُگا نہیں

مجھے نہیں کوئی شکوہ چمن سے اب
گزر بہار کا اب تک ہوا نہیں

ہے انتظار اندھیرے کے چھٹنے کا
وہ میرا چاند تو اب تک چڑھا نہیں

چمن کی رونقیں کیسے بھلی لگیں
کسی بھی طور اُجالا ہوا نہیں

اُمید شمع کی کیسے رکھوں مجھے
کوئی بھی پل کبھی روشن ملا نہیں

اُمید ہے کہ گزر جائیں گے یہ دن
ثمرؔ کو اپنے چمن سے گِلہ نہیں

غزل

تم اچھائی بن کر پھیلو اس دنیا میں
چاند، ستارے بن کر چمکو اس دنیا میں

ہاتھ میں دے کر ہاتھ چلو منزل کی جانب
اک دوجے کا ساتھ نہ چھوڑو اس دنیا میں

محنت اور خدمت کا جذبہ رکھو دل میں
اُمّت کی تقدیر کو بدلو اس دنیا میں

نیکی اور اُلفت کا گھر ہو دل ہم سب کا
پھر خوشبو کی صورت مہکو اس دنیا میں

عزم و ہمت سے پیہم محنت کرنا ثمر
سوچ سمجھ کر زیست گزارو اس دنیا میں

قید و بند

زندگی لحظہ قید و بند
کم ہے اس میں سواد اور آنند
عالمِ مشکلات جھیلیں سب
آزمائش ہی آزمائش ہے
جو ملا وہ خدا کا تحفہ ہے
جب ہی انساں کا اعلیٰ رتبہ ہے
زیست جکڑی ہے رشتے ناطوں میں
بیڑیاں ہیں پڑی تعلق کی

آدمی ہے جگہ جگہ پابند
سوچ کر ہے گزارتا جیون
مکڑی کا جالا ہے بُنا ہر سُو
ہے پھسلتا قدم قدم انساں
سانس آئے بڑی ہی مشکل سے
دور چمکیں ستارے جھلمل سے
زندگی کاٹ لے جو ہمت سے
مل سکے صلہ بھی محنت سے
بس یہی قصّہ ہے حصولِ زیست
اصل میں زندگی ہے قید و بند

غزل

ہیں خواب گُم ، خیال گُم ، حواس گُم
کہاں کہاں ہوا مرا قیاس گُم

زمانے میں جو بے بسی ہے پھیلی اب
کہ ہوگیا مرا نظر شناس گُم

خیال یہ ستا رہا ہے اب مجھے
کہ ہو نہ جائے آدمی کی آس گُم

نہ بدلے ہم تو ایک دن وہ آئے گا
ہے خطرہ ہو نہ جائیں یہ حواس گُم

ثمرؔ کھلیں اُمید کے یہاں گلاب
کہ بے حسی کا ہو رہے لباس گُم

غزل

حسیں ہُوا ہے سماں تیرے آنے سے
شگوفے کھِل گئے تیرے بہانے سے

رتیں بدل گئیں بدلے زمانے بھی
بھرا نہ دِل کسی کا اس فسانے سے

نہیں رہی مری یاری کسی سے اب
بس ایک تُو ہی ملا دل ملانے سے

بحال رونقیں اب مدتوں کے بعد
زمانہ خوش ہے ترے کھلکھلانے سے

کھُلی ہے دل کی گِرہ اب دِلوں کے بیچ
بھرم ثمرؔ کا ہے تجھ کو منانے سے

روحِ انسانی

روح ہے انساں کی سچی دوست ساتھی
جو دِکھاتی وسعتیں ہے آسماں کی
اُنس پر قبضہ ہے اُس کی روح کا ہی
وہ اِسے ہر اِک جہاں میں ہے گھماتی
دو جہاں میں کامیابی ہے دِلاتی
روح اور انساں اَزل سے ہیں اَبد تک
زیست کے سب مرحلوں سے ہے گزرتی
جب جوانوں میں یہ ہے بیدار ہوتی

منزلیں پھر آسمانوں میں سماتی

روح پر سنّاٹا چھا جائے اگر تو

دہر ویراں سا لگے، کچھ مل نہ پائے

پُر سکوں، سرشار ہو علم و ہنر سے

نیکی، اچھائی بھریں اس میں نئی آس

تو یہی گُن مہکیں انساں کے سدا پاس

جب تلک ہے روح زندہ، زندگی ہے

روح کی جس دن بدن سے ہو جدائی

آزمائش یہ ہماری ختم پھر ہو

آخرت میں یہ ہماری ترجماں ہو

دے اَزل سے ساتھ انساں کا اَبد تک

روح ہے انساں کی سچی دوست، ساتھی

غزل

تا اَبد کارِ جہاں یوں چلتا رہا
خود نمائی کا ہماری چرچا رہا

راہوں میں کانٹے بچھائے دشمن نے جو
ایک کانٹا دل میں میرے چبھتا رہا

چاند نے پہرہ بٹھایا تاروں پہ خوب
ایک تارہ رات ساری پھرتا رہا

گو نظر آیا الگ تھا ، تھا کچھ الگ
کچھ گماں ایسا مجھے پھر ہوتا رہا

زندگی کی اس ڈگر میں چلتے ہوئے
وہ کبھی گرتا ، سنبھلتا ، چلتا رہا

ہوسکے پورے نہ سپنے میرے یہاں
بس خیالوں میں سُلگتا ، جلتا رہا

آزمائش ہی رہی کچھ ایسی ثمرؔ
امتحاں جیون یوں پَل پَل لیتا رہا

غزل

اب وہ پہلی سی محبت نہ رہی
ایک دوجے سے وہ نسبت نہ رہی

عمر تو گزری کسی طور مگر
زندگی کی وہ ضرورت نہ رہی

جس طرح یاد تجھے کرتی تھی
مجھ کو پہلی سی وہ عادت نہ رہی

جو خزانے تھے لُٹائے تجھ پر
پاس میرے کوئی دولت نہ رہی

کس طرح زیست گزاری میں نے
اب ثمرؔ تجھ سے شکایت نہ رہی

غزل

نہیں رہا کچھ بھی پہلے جیسا سماں یہ کتنا بدل گیا ہے
انا سے اپنی نکل کے دیکھ آسماں کہاں تک یہاں کھُلا ہے

دُعاؤں کی ہے قبولیت آج بارگاہِ الٰہی میں یوں
یہ آسماں آج سارا میری دعا سے کتنا حسیں سجا ہے

یہ عزم کر تُو کہ کام آئے گا جان و دل سے وطن کی خاطر
سو چھوڑ اس بات کو کہ بے لوث خدمتوں میں مفاد کیا ہے

ہے تجھ پہ یہ فرض تو سنبھالے وطن کو ہمت ، بہادری سے
مرے چمن کی اس آبیاری میں خون نسلوں کا ہی لگا ہے

رہے حرارت ہمارے اندر یقین و ایماں کی تا قیامت
خدا سے اب یہ ہماری تو دل سے التجا اور بس دعا ہے

قبول ہوں کاش محنتیں ، خدمتیں ، عبادات سب ہماری
یہی ثمرؔ کی جنابِ ربِ کریم سے التجا دعا ہے

غزل

تُو ہوا دربدر اب مجھے یاد کر
درد سے آ گزر اب مجھے یاد کر

خوبصورت سماں میری یادیں حسیں
غم بھُلا صبر کر اب مجھے یاد کر

کھوجتے کھوجتے مجھ کو اب ہر جگہ
کھوگئی کیا نظر؟ اب مجھے یاد کر

وا کیا زیست کا در ترے واسطے
گُم گیا پھر یہ در اب مجھے یاد کر

زندگی کے سفر میں کبھی ساتھ تھے
یاد کر ہمسفر اب مجھے یاد کر

میں نے کوشش کی طوفاں کی دے دوں خبر
تُو رہا بے خبر اب مجھے یاد کر

یاد کرتے ہوئے مجھ کو تُو رو پڑے
آنکھ تیری ہو تر اب مجھے یاد کر

میں اکیلی چلی مجھ کو منزل ملی
تُو رہا بے ثمرؔ اب مجھے یاد کر

غزل

چھوڑو قصّہ پُرانا کچھ نئی بات کرو
لوگوں کو تم اب بھُولو مری بات کرو

ناسمجھی اب جانے بھی دو میرے دوست
تم پھر عقل کی کوئی تو کبھی بات کرو

ناز اُٹھائے ہیں میں نے تیرے کتنے
سب کے سامنے مانو پھر یہی بات کرو

راز نہ کھولو سارے زمانے کے آگے
دنیا کے آگے تم مخفی بات کرو

تم یوں بھلا دو تلخیاں زیست کی اس ہی طور
صاف کرو دل چھوڑو کیوں گئی بات کرو

کتنی محبت تم سے ہے ہمیشہ ثمرؔ کو رہی
اے ہمدم نفرت کی نہ اب کبھی بات کرو

غزل

مجھ سے تو حالِ رفتہ سنایا نہیں گیا
دکھڑا کسی کے سامنے لایا نہیں گیا

میں انتظار میں رہی شوقِ کلام کے
محفل میں تیری مجھ کو بُلایا نہیں گیا

حاصل کیا جو کچھ بھی وہ کسبِ حلال سے
مجھ سے حرام نوٹ کمایا نہیں گیا

جو کام بھی کیا وہ سلیقے سے ہی کیا
مجھ سے یوں وقتی کام چلایا نہیں گیا

مانی نہ میں کسی بھی طرح شرک کے لئے
آگے بُتوں کے سر کو جھکایا نہیں گیا

جب جانتا نہ تھا مجھے کوئی جہان میں
مجھ سے ثمرؔ وہ وقت بھلایا نہیں گیا

غزل

بادلوں میں چھپا چاند آج شب نکلا
آسماں پر نظارہ کچھ عجب نکلا

روشنی چھا گئی تیرے چمکنے سے
تُو فلک پر ستارہ بن کے اب نکلا

کھوگیا پھر کہاں تُو آسمانوں میں
ڈھونڈنے پھر تجھے اب کوئی کب نکلا

خامشی اور سنّاٹے بسے ہر سُو
کھونا پانا تجھے چکّر عجب نکلا

تیری خاطر کٹا جو وقت کانٹوں پر
پھر تری راہ تکنا بے سبب نکلا

وحشتِ زندگی جو کم نہ ہو پائی
تجھ سے مل کر بھی دل کا میل کب نکلا

مل نہ پائی ثمر اُس سے دوبارہ تُو
اب کے یوں بے طلب دستِ طلب نکلا

غزل

پھر خزاں گزری اب بہار ہے کیا؟
زندگی میں پھر انتشار ہے کیا؟

چھائی ہیں پھر سُہانی بدلیاں سی
تو محبت کا یہ خمار ہے کیا؟

میرے ہر غم کو ناپنے والے
میرے غم کا کوئی شمار ہے کیا؟

جب بھی ملتے ہو ، دل دکھاتے ہو
دل میں اب بھی بھرا غبار ہے کیا؟

روح بے چین ایسی میری ہوئی
چھن گیا چین اور قرار ہے کیا؟

جان کب چھوٹتی ہے مسئلوں سے
زیست سے اب نرا فرار ہے کیا؟

کھِل گئے گُل کیا اب تری رہ میں
زندگی تیری لالہ زار ہے کیا؟

میں ڈٹی ہر محاذ پر ہی ثمرؔ
مجھ سے بہتر تو شہسوار ہے کیا؟

غزل

وہاں اب صبح تُو نے آ کے پھیلایا سویرا
جہاں چھایا ہوا تھا بس اندھیرا ہی اندھیرا

فلک تکتے ہوئے تارے نظر میں آئے ایسے
کیا میں نے ستاروں پر بہت دن تک بسیرا

سیاہی دور کرنے کی جو ہمت کی ہے میں نے
مرے اس حوصلے سے چارسُو پھیلا اُجالا

ہوئی خوابوں کی ہے تکمیل ایسی عمدہ ، اعلیٰ
تو مجھ کو کامیابی نے مکمل طور گھیرا

دیا قسمت نے میرا ساتھ دنیا میں بجا ہے
مگر محنت سے میں نے ہے نصیبے کو سنوارا

جہاں میں مل گیا ہمت کا یہ انعام ایسا
رہا کوئی نہ میرا خواب آدھا یا اَدھورا

خوش و خرم ثمرؔ کو رکھ ہمیشہ زندگی میں
ہمیشہ زیست میں ، تو کامرانی دے خدایا

ذرا آزاد کر

دھڑکنیں میری ہوئیں بے قابو اب
چل رہا ہے جانے کس کا جادو اب

رات اور دن میں ہی کھوجوں میں تجھے
ہر جگہ ڈھونڈوں یوں پاؤں میں تجھے

اب اَدھوری ہیں تری باتیں تمام
گزری یادوں میں تری راتیں تمام

اے دِلِ ناداں! سنبھل کے چل ذرا
دیکھ کیسی ہے یہاں ہلچل ذرا

پھر ملے گا تُو کہاں پر کس زماں
دیکھوں اور پاؤں تجھے میں جس زماں

خواب اُترے ہیں گگن کے پار سے
دیکھے ہیں جو میں نے بے حد پیار سے

میں سنبھالوں دل کو کیسے اب ذرا
دل ہوا مجبور ایسے اب ذرا

اے دِلِ ناداں! سبھی کچھ بھول جا
رکھ نہ کچھ ساماں سبھی کچھ بھول جا

اب ملے گا اس جہاں کوئی نہیں
تیرے جیسا پھر یہاں کوئی نہیں

اب ثمرؔ کو تُو ذرا آزاد کر
قید نفرت سے سدا آزاد کر

غزل

ہتھیلیوں پہ یوں رنگِ حنا نکھر آیا
کہ جیسے اُلفتوں کے رنگ کا اثر آیا

ترا ہی تذکرہ اب اس قدر ہے ہر جانب
کتابِ زیست میں اکثر مجھے نظر آیا

ہر اِک حیات کی تکمیل موت ہوتی ہے
انوکھا نکتہ مرے ذہن میں اُبھر آیا

مصیبتوں نے سنوارا ، نکھارا ہے مجھ کو
مرا سلیقہ بہت شستہ سا نکھر آیا

تیری یہ تیغِ زباں تھی تند و تیز
تو پھر سے مجھے نہ قرارِ دل و جگر آیا

جنوں سے ہوش کی خواہش ہے کچھ زیادہ ہی
مرے سراپے میں کیسا جنوں اُتر آیا

خمیر خاک سے گُندھا ہے نوعِ آدمؑ کا
صلاحیت سے یہ ذرہ نکھر آیا

غزل

حُسن گم ، عشق گم ، زیست کے سال گم
اب وہ ماضی نہ فردا ، ہوا حال گم

رنگ سارے ہوا میں ہوئے منتشر
سبز گم ، نیل گم ، زرد گم ، لال گم

چار جانب مرے شور اُٹھنے لگا
شاعری نغمہ گم ، گیت سُرتال گم

عہد تیرا ہوا ختم کھوئی ادا
تیری وہ دِلبرانہ ہوئی چال گم

مدّتوں میں اُگایا تھا جو اِک شجر
اُس کے پتّے ، ثمر ، پھول اور ڈال گم

غزل

زیست کے سارے مسئلوں میں پھنسا ہے ہر اِک اِنسان
کتنے زیادہ مسائل سے لدا ہے ہر اِک اِنسان

دل تو ہر لحظہ ہی دھڑکتا ہے انسانوں کا
بس کبھی پتھر کا ہو جاتا ہے ہر اِک اِنسان

سنگ مری جانب اُچھلے یاروں کی طرف سے ہی
دوست کبھی تو کھو ہی دیتا ہے ہر اِک اِنسان

جو جاتا ہے وہ کب لوٹ کے آتا ہے دوبارہ
ایک سمے واپس ہو جاتا ہے ہر اِک اِنسان

عارضہ لاحق کچھ انسانوں کو سچّائی کا ہے
ہر حق بات سمجھ کب پایا ہے ہر اِک اِنسان

دِل کی پُکار پہ سب لبّیک کہیں گے دنیا میں
اِک دن پھر اچھائی مانے گا ہر اِک اِنسان

تم کوشش تو کرو پھیلاؤ نورِ ثمرؔ اس دہر میں
روشنی کے کب دیپ جلاتا ہے ہر اِک اِنسان

غزل

خواب ایسا جو نظر میں مری ٹھہرا برسوں
اور اُس خواب کی تعبیر کو کھوجا برسوں

آنکھ سے موتی کی مانند بہے ہیں آنسو
غم ہوا میرا عیاں جس کو چھُپایا برسوں

پھر اُمیدوں کے چراغوں کو ہی روشن رکھا
خونِ دل اور جگر کو یوں جلایا برسوں

شبنمی آنکھوں میں کچھ دیپ جلے ایسے بھی
ہم نے خوش ہو کے کیا جن کا نظارہ برسوں

مختلف تھا ترا باطن ترے ظاہر سے بہت
ہم نے دنیا میں کیا کیسے گزارا برسوں

عقل نے قابو کیا ہے مری بے عقلی کو
ورنہ رہتا یہ اُجالا بھی اندھیرا برسوں

اُس تمنّا کے کنارے تھی وہ بہتر دنیا
جس کو خوابوں میں ثمرؔ نے یونہی دیکھا برسوں

غزل

جل گیا دل پگھلتا رہا آفتاب
کشمکش میں ڈھلا دن چڑھا ماہتاب

شُکر ہے ربّ نے دیں نعمتیں بے حساب
ویسے تو زندگی گزری ہے لاجواب

وقت چلتا رہا رک نہ پایا کہیں
دے نہ پائی مجھے عمرِ رفتہ حساب

اِک خطا کا سزاوار ٹھہرا مگر
آیا زیرِ اثر اور زیرِ عتاب

مِل نہ پائیں جو راہیں یہاں مستقیم
دِل ہی دِل میں وہ کھاتا رہا پیچ و تاب

شخصیت تیری ہے سات پردوں میں گُم
ذات کی کھوج نکلی ہے گہرا سراب

حُسن زائل ہوا ایک دن زیست میں
پڑ گئیں جھریاں کھوگیا اب شباب

یہ کہانی لکھی تیرے ہی نام ہے
ہے کتابِ محبت کا تُو انتساب

بن کے خوشبو گلستاں میں تُو مہکے یوں
کھِل ثمرؔ اس جہاں میں تُو مثل گُلاب

سردیوں کی سرد شامیں

چھُو رہی ہیں میرے دل کو
سردیوں کی سرد شامیں
یہ خنک اور ٹھنڈی راتیں
ساتھ تیرا ہے حسیں تر
تو ہوئی یہ زیست بہتر
جو بنا تُو میرا ہمدم
بدلا دل کا خوب موسم
درد سارا ڈھ گیا ہے

میری دنیا سے مٹے غم
ساتھ تیرا زندگی کو
کردے عمدہ اور بے غم

چھُو رہی ہیں میرے دل کو
سردیوں کی سرد شامیں

غزل

آتے جاتے پلوں کی بے چینی دیکھ
بل کھاتی ساعت کی ذرا تیزی دیکھ

ٹھہرا کب ہے کوئی پَل کسی کے لئے بھی
قافلۂ وقت کی یہ رفتار تو ہر گھڑی دیکھ

وقت گزر جاتا ہے دِلوں کو دکھا کر بھی
پر تو محبت والوں کی آنکھوں میں نمی دیکھ

وقت بُرا یا اچھا کب یہ ٹھہرا یہاں
اُڑتا ہے پر ہی لگا کے یہ پنچھی دیکھ

گزرے نہ مجھ پر کوئی کٹھن لمحہ اے خدا
ہے یہ ثمرؔ کی دعا اس کی بے کلی دیکھ

مہکتی انسانیت

محبت تو اُترتی آسماں سے ہے
تعلق اس کا ہر عہد و جہاں سے ہے

ہمیشہ رہتی یہ دل کے مکاں میں ہے
کہ گھر اس کا ہر اِک کے آشیاں میں ہے

یہ قابو کرتی ہے انساں کے دل کو یوں
یہ مہکاتی ہے انساں کے دل کو یوں

تو قطرہ قطرہ چمکے راز کی مانند
دلوں میں برسے بارش ساز کی مانند

کہاں سے یہ کہاں تک جھلملائے ہے
جہاں بھر کو ہمیشہ جگمگائے ہے

اِسی کے دم سے ہے انسانیت باقی
خدا کی دین اور رحمانیت باقی

خدا کا تحفہ انسانوں سے اُلفت ہے
یہی آپس میں ہمدردی ، محبت ہے

غزل

گیت پہلے سے کہاں اب وہ رہے ساز کہاں
ہجر میں تیرے مری زیست میں وہ ناز کہاں

کس طرح آ کے یہاں جرأتِ اِظہار کروں
تابِ گویائی کہاں نُدرتِ الفاظ کہاں

کھو گئے جانے کہاں سارے فسانے میرے
زندگی کے وہ نہاں گُم شدہ سے راز کہاں

یہ محبت کی ہے رنگت تیرے چہرے پر آج
خوش نما رنگ ہیں لیکن تیرے انداز کہاں

جو لڑے قوم کی خاطر کسی بھی دشمن سے
اب وہ مضبوط سا شاہین نما باز کہاں

آسمانوں کی بلندی کو چھوؤں میں کیسے
تابِ رفتار کدھر ، طاقتِ پرواز کہاں

وہ مرا ہمدمِ دیرینہ میرا نبض شناس
اب ثمرؔ تیرا وہ ہمدرد سا ہمراز کہاں

کہاں ہیں نشاں؟

تیری اس رہگزر پر کہاں ہیں نشاں؟
میں تجھے ڈھونڈوں اب ہر جگہ ہر جہاں

مل سکا سایہ تیرا نہ تو اب یہاں
میں تو ہوں یونہی بے بس بہت بے کراں

اب دعاؤں میں میری رہے تُو ہی تُو
یونہی تیرا مقدّر رہے ضو فشاں

نام ہو تیرا اُونچا جہاں بھر میں ہی
ہیں دعائیں مری عمر ہو جاوداں

مل سکیں عظمتیں ، نیک نامی تجھے
وسعتوں کو تُو چھوئے یہاں ہر زماں

زیست کی ہر خوشی مل سکے تجھ کو ہی
اٹکی ہے تجھ میں پیاری ثمرؔ میری جاں

غزل

مری حیات میں جو لہلہائی ہے بہار
مجھے تھا اس کا اِشتیاق اور اِنتظار

یہاں بچھایا تھا اکیلے میں نے ایک جال
پھنسی ہیں مچھلیاں لئے کامیاب یہ شکار

اداؤں سے تیری مہکنے ہے لگی یہ زیست
کہ آنے لگ گئی مری حیات میں بہار

جلی ہوئی ہے شمع اور اندھیرا بھی ہے خوب
اندھیرے اور اُجالے میں آ گیا کوئی مزار

ہمیشہ ہی دیا ہے ساتھ میں نے تیرا ہی جناب
ہوئی ہے میری عمر ساری تجھ پہ ہی نثار

غموں کو تیری زندگی سے دور کر چکی ہوں
کہ اب نہ ہوسکے گی تیری آنکھ اشکبار

بہشت کی اُمید ہے ، لگن معافی کی ہے
زیادہ ہی ثمرؔ کی میں ہوئی اُمیدوار

ڈھونڈوں تجھے نگر نگر

ہجوم میں بھی میں رہی اکیلی پر
تجھے میں ڈھونڈتی رہی نگر نگر

حیات کی یہ رہگزر ہے رہگزر
گزر گئی ہماری شب ہوئی سحر

پھر انجمن میں لگ سکا نہ میرا دل
کی اِختیار میں نے پھر الگ ڈگر

تلاش میں تری کہاں کہاں گئی
عجب طرح خیال نے کیا سفر

ستارہ وار روشنی میں ڈوبی پھر
ملی زمیں کی جب فلک سے یوں نظر

تمام عمر کی ہے دل سے یہ دعا
تمہی رہو گے ہر سفر میں ہم سفر

مسلسل ان دکھوں کو جھیلتی رہی
شجر میں پھر بھی کم لگے ثمَر مگر

غزل

تُو سائے سے زیادہ اب میرے ہم قدم رہ
دنیا میں تو ہمیشہ مرا ہی بس صنم رہ

یہ زیست ہو سُہانی اب ایسی تیری ہم دم
تیرے جہاں میں کوئی ایسا نہ روگ، غم رہ

کوشش کرو بھلا دو سب دکھ زمانے بھر کے
پھر کیوں یہ آنکھ تیری غم سے زیادہ نم رہ

چھُو کر نہ گزریں تجھ کو اب مشکلیں کبھی بھی
بس زندگی میں مشکل ، تکلیف کم سے کم رہ

انساں تماشں بینی کرتا ہے دہر میں ہی
پھر اس تماشے کو سہنے کا تجھ میں دم رہ

کوشش رہے گی میری تجھ کو رکھوں سدا خوش
ابرو میں میری ،تیری خاطر نہ کوئی خم رہ

عزت نصیب مجھ کو ہو کام سے زیادہ
یونہی ثمرؔ ہمیشہ تیز و رواں قلم رہ

غزل

آج تُو میری دسترس میں ہے
اب یہ دنیا مرے ہی بس میں ہے

ہر کوئی قیدی ہے زمانے کا
زندگی وقت کے قفس میں ہے

ہے مٹھاس اب تری عداوت میں
زہر تیرا عجب سے رس میں ہے

قید میں ہے زمانہ صدیوں کی
اس کی آزادی کس برس میں ہے

میں ثمرؔ ہوں بہت ہی باہمت
جستجو میری ہر نفس میں ہے

غزل

شبِ فراق میں اُس ایک تارے کا جنم ہوا
مرا نصیب دیکھیے کہ وہ مرا صنم ہوا

فلک پہ نُور بن کے چمکا وہ جہاں میں اس طرح
جنونِ شوق بڑھتا ہی گیا کبھی نہ کم ہوا

نہ ماند پڑ سکی دمک جہان میں جو اس کی پھر
اُسی کی نیتوں سے پھر خدا کا یہ کرم ہوا

وہ نُور بن کے چمکا اس طرح کہ پھیلی روشنی
ہمیشہ کے لئے جو قائم اس کا اب بھرم ہوا

کبھی ملی تھی میں وہاں کہیں پہ کہکشاؤں میں
میں خوش نصیب ہوں وہ تارا میرے ہم قدم ہوا

ان آرزوؤں کو ملا ہے ہم نوا دماغ بھی
کہ میرا اور اُس کا ساتھ یوں قدم قدم ہوا

ثمرؔ اُتار لائی اُس کو عرش سے یوں فرش پر
فلک سے اُترا اور زمین واسیوں میں ضم ہوا

غزل

تُو میرے ہر یقیں میں ہے، ہر اک گُماں میں ہے
مجھ کو یقیں ہے تو مرے ہر اِک زماں میں ہے

یہ فیصلہ کہ پاس رہوں یا ہو جاؤں دور
میری یہ زیست ایک عجب امتحاں میں ہے

یہ خواب میں سنبھالوں کہاں اور رکھوں کہاں؟
سپنا مرا دریچوں کے اب درمیاں میں ہے

ایمانِ عاشقی کا نہایت کمال ہے
ابرِ یقیں کا سایہ ہے ، بارش گُماں میں ہے

سب کی دعا ہے حرفِ سخن کا چلے یہ دور
موسم سخنوری کا ہمارے بیاں میں ہے

ہر اِک محاذ پر نظر آتی ہے کامیاب
تیری اُڑان پھر سے کھُلے آسماں میں ہے

میں تھک گئی ہوں ڈھونڈ کے تیرا پتا ثمرؔ
گھر تیرا کس گلی میں ہے اور کس مکاں میں ہے

غزل

دریا ہے یہاں آگ کا، سامنے کوہِ گراں ہے
پار مجھے کرنا ہے، پہنچنا کُوئے بُتاں ہے

ذہن میں ایک انوکھا سیل رواں ہے گزرا
جیسے اس دل میں دہکا اِک شعلۂ بجاں ہے

ظلم میں تیرے اور سہوں کتنے اے ظالم؟
یہ دل ہے میرا اور تیری نوکِ سناں ہے

تیری نوائے ناز نے چنگاری ہے لگا دی
ہر سُو پھر محسوس ہمیں اِک برقِ تپاں ہے

گریہ و زاری پھیل گئی تیرے جانے سے
پھر اب مچلنے لگی دنیا میں آہ و فغاں ہے

ڈالنا چاہتی ہوں میں کمند ستاروں پر ہی
میری تمنّا کتنی بے پایاں اور بے کراں ہے

اب ڈھونڈا ہے ثمرؔ نے فلک کے پار تجھے
اُس کی رسائی چاند ستاروں تک یہ کہاں ہے

غزل

مجھ کو پرکھا تُو نے تو اس سے تجھے کیا مل گیا؟
کھوج سے میری تجھے اب کیا نتیجہ مل گیا؟

ذات میری کب چھپی ہے سات پردوں میں بھلا
اس تجسس سے سبھی کو اِک تماشہ مل گیا

تیری اس بے اعتباری نے کیا بزدل مجھے
اب جہاں میں سب کو میرا ہی فسانہ مل گیا

تُو بدل سکتا ہے نظریں کتنی آسانی سے اُف!
یوں تری بے اعتنائی سے اِشارہ مل گیا

دل مرا زخمی ، جگر میرا ہوا بے حوصلہ
بازیٔ دل ہار جانے کا بہانہ مل گیا

بھُگتی ہے میں نے تری یہ کج روی کتنی ثمرؔ
تنگ کرکے مجھ کو کیا تجھ کو خزانہ مل گیا

غزل

عمرِ رفتہ کو میں دیتی رہی آواز بہت
لگتے ہیں آج بھی پیارے ترے انداز بہت

تیرے اس دستِ تکلّم نے کیا ایسا طلسم
پھر مجھے عشق کے حاصل ہوئے اعزاز بہت

دیدۂ گریہ کی ہی مانند لگی ہے یہ جھڑی
کھو گیا ہے کہیں تھا جو مرا دم ساز بہت

پھر نظر آئے تو مجھ کو ہی فلک پر ہمدم
اُونچی لگتی ہے تری ہم نشیں پرواز بہت

دن نکلتا ہے تری دل نشیں آواز کے ساتھ
اچھا لگتا ہے مجھے صبح دم آغاز بہت

فن خطابت کا کوئی تجھ سے ہی سیکھے اب تو
پھول جھڑنے لگے عمدہ حسیں الفاظ بہت

خوبرو ہے تُو بہت اے حسیں پیکر اے ثمرؔ
ترے ساتھی نے اُٹھائے ہیں تبھی ناز بہت

غزل

لگتا ہے آج تم بے وفا ہو گئے
دل سے اے دوست! میرے جدا ہو گئے

جو بچھائے تھے کانٹے مری راہوں میں
وہ مری زندگی کی سزا ہو گئے

تھے تو تیرے ہی پروانے تجھ شمع کے
جل گئے ہیں یوں جل کر فنا ہو گئے

ہم ترے ہجر میں راہ تکتے رہے
یاد میں ٹوٹ کر جا بجا ہو گئے

تو ہمیں پھر کہاں پہلے سا پائے گا
کیا بتائیں کہ ہم کیا سے کیا ہو گئے

گھیرا تھا تنگ تیری وفاؤں کا اور
قرض تھے کچھ ترے جو ادا ہو گئے

دَور تو یہ ثمرؔ کا ہے پر کیا کریں
اب اِسی سے زمانے خفا ہو گئے

غزل

رنگ بدلا آسماں نے گردشِ ایّام ہے
آج مجبور اور اکیلا یہ چراغِ بام ہے

ہے جلا ڈالا حسد کی آگ سے ہی آشیاں
تیرے بارے میں گماں ہے یا نرا الزام ہے

جو درِ زنداں میں ہیں مظلوم تو آہ و فغاں
اب زمانے میں یہ کیسا مچ گیا کہرام ہے

حُرمتِ الفاظ کا کچھ مان تو رکھ دوست تُو
میرے دل میں تیرا اُونچا رتبہ ہے اِک نام ہے

ہو نہ جائے اس جہاں میں حشر برپا پھر کہیں
سازشوں میں نام تیرا ہر طرف بدنام ہے

لگ گئی بولی زمانے میں مرے ایمان کی
کیا وفا میری میں سمجھوں قابل نیلام ہے

تیری یہ کوشش کرے تُو دِین کی تبلیغ اب
تیری کاوِش دوستوں میں اِک صلائے عام ہے

ظلم جب حد سے ہی بڑھ جاتا ہے دنیا میں تبھی
صبح ہو کر بھی نہیں ہے صبح، گھری شام ہے

اب جہاں تھی خامشی ، برپا ہے شورِ دشمناں
کچھ خبر طوفاں کی یا پھر آمدِ دشنام ہے

اب دِلوں کو تُو نے جیتا ہے محبت سے مگر
زندگی میں کر رہا تُو ، کچھ انوکھا کام ہے

کاش پھیلے اس جہاں میں اَمن کی آشا بہت
محبت کا ثمر انعام اور پیغام ہے

غزل

تُو زمیں کے خواب چھوڑ اور آسماں کی بات کر
اب نئی دنیا میں رہ کر دو جہاں کی بات کر

زورِ بازو پر بھروسہ تجھ کو ہے اپنے اگر
اِس زماں کو تُو بدل دوجے زماں کی بات کر

جیت لے پھر اپنی ہمت اور جواں مردی سے دل
دونوں عالم، لامکاں اور اُس مکاں کی بات کر

تُو بکھیرے اس جہاں میں نغمۂ اُلفت کی لَے
پیار کے نغمے سنا ، امن و اماں کی بات کر

شاعری سے تیری مہکے یہ جہاں اب روز و شب
چل سُنا پیاری غزل دلکش سماں کی بات کر

کچھ نئی سوچیں ثمرؔ پھیلا زمانے میں تُو اب
فکر کر ، جذبات لکھ ، عہدِ رواں کی بات کر

غزل

حالِ دل کا خلاصہ کیا کہیے
ہے حقیقت فسانہ کیا کہیے

ہاتھ سے تیرا ہاتھ کیا چھوٹا
ہو رہا ہے تماشہ کیا کہیے

زیست افراطِ غم میں ڈوب گئی
انقلابِ زمانہ کیا کہیے

جی رہی ہوں ہوس کی دنیا میں
نفع بھی ہے خسارہ کیا کہیے

اُس کے سپنے نہیں ہوئے پورے
رہ گیا وہ بے چارہ کیا کہیے

اب کے گزری خزاں کی طرح بہار
بے ثمر ہے اجارہ کیا کہیے

غزل

جُدا تو ہیں مگر ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے
جہاں کو ہے خبر ہیں دِل میں آپ ہی بسے ہوئے

ہے تیرگی آپ کے بنا حیات میں بہت اگر
ہیں دور تو مگر ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

جہاں میں ہو رہا ہے کیا ہمیں تو کچھ نہیں خبر
ہر اِک سے بے خبر ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

یہ زیست آپ کے بنا گزار دی ہے بے سبب
خیال میں ہوئی بسر ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

گزر رہی ہے زندگی اب آپ کے فراق میں
ہوئیں ہیں آنکھیں تر ، ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

خمار چھایا ہر طرف ہے آپ کا بہار میں
ہے یہ آپ کا اثر ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

ہر اِک زماں رہے ہیں گُم ہم آپ کی ہی ذات میں
کہ جائیں ہم جدھر، ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

تلاش آپ کو کیا جگہ جگہ نگر نگر
اکیلی ہے ثمرؔ ہیں دل میں آپ ہی بسے ہوئے

غزل

یوں روز و شب گزرتے جا رہے ہیں
کہ ہم اور تم بکھرتے جا رہے ہیں

سجا رکھا جہانِ آرزو ہے
جہاں سپنے اُترتے جا رہے ہیں

جدھر دیکھو اُدھر ہے چھینا جھپٹی
کہ ہم سائے سے ڈرتے جا رہے ہیں

ترا غم ہے اور آنکھوں میں ہیں آنسو
کہ بادل سے برستے جا رہے ہیں

اکیلا کردیا حرص و ہوس نے
محبت کو ترستے جا رہے ہیں

تجھے محسوس کرتے ہیں ہمیشہ
وفا کرکے نِکھرتے جا رہے ہیں

غنیمت ہے جہاں میں دم تمہارا
ثمرؔ سب اب سنورتے جا رہے ہیں

غزل

بھیگی پلکوں پہ رُکے خواب مرے سارے اب
بند ہونے لگے پھر باب مرے سارے اب

کب کہاں ہوں گے یہ سپنے مرے پورے ہمدم
تجھ سے مشروط ہوئے خواب مرے سارے اب

عمدگی سے ہی نبھائے ہیں میں نے اپنے عہد
دوست پھر ہوگئے شاداب مرے سارے اب

نُور ہی نُور ہے پھیلا مرے اعمالوں سے
چاروں اطراف ہیں مہتاب مرے سارے اب

خوش دلی میں نے دکھائی ہے انہی کو پل پل
ہو گئے خوش گماں احباب مرے سارے اب

شکوہ تقدیر سے ہے مجھ کو بہت دنیا میں
کھو گئے پھر کہاں اسباب مرے سارے اب

جو قبا تھی کبھی شاہوں کی میسر مجھ کو
کتنے نادر ہیں یہ کمخواب مرے سارے اب

یہ جہاں عزم ہے تسخیر ثمرؔ کر پائے
پُر یقیں جذبے ہیں بے تاب مرے سارے اب

غزل

یاد سے ماضی ، حال جل رہا ہے
ہاتھ پھر کون کون مل رہا ہے

روکتا کیسے کوئی سیل رواں
اب سے خود کو ہی بدل رہا ہے

ہوگیا پُر خطر سفر آساں
تھام کے ہاتھ تُو جو چل رہا ہے

کٹ رہا تیرے سنگ میرا سفر
پھر حسد میں رقیب جل رہا ہے

دھوکہ کھایا بہت مگر پھر بھی
سانپ اِک آستیں میں پل رہا ہے

تُو نے کھُرچے تمام زخم مرے
اب نمک بھی تُو ان پہ مل رہا ہے

زندگی پھر بدل رہی ہے رنگ
ریگ ہے یا سراب چل رہا ہے

اور دھواں اُٹھ رہا ہے کیوں اِتنا
مجھ سے پھر اب زمانہ جل رہا ہے

میں ثمرؔ مانگوں بس خدا سے ہی
اب دعاؤں سے حل نکل رہا ہے

غزل

اس نظر نے مناظر بہت دیکھے ہیں
سارے منظر نظر میں مری ٹھہرے ہیں

یوں لگے دوریاں درمیاں ہیں مگر
دِل کے رِشتے بہت عمدہ اور گہرے ہیں

رہ نہ جائے کوئی بھی کمی زیست میں
انتظامات تو پھر کئے سارے ہیں

آس پر یہ جہاں چل رہا ہے مگر
خواہشیں اور ارماں بہت سارے ہیں

باغ دنیا کا ہے کس قدر خاردار
لوگ دنیا میں غم ، درد کے مارے ہیں

قُفل پڑ جاتے ہیں زیست میں پھر ثمرؔ
زندگی پر سبھی کے لگے پہرے ہیں

غزل

کہیں تھا تُو اور میں نے ڈھونڈا کہیں
تجھے کھو کے بھی تجھ کو پایا کہیں

سماعت نے میری بتایا مجھے
بصارت نے تجھ کو ہے دیکھا کہیں

زمینِ محبت کھِل اُٹھی یہاں
گو تھا بیج اُلفت کا بویا کہیں

کوئی اور اُترا رگ و پے میں ہے
بلا وجہ دل کو لگایا کہیں

سکوں کی نہ آئی اُسے نیند بھی
وہ سویا کہیں اور جاگا کہیں

پتا تُو نہ لکھ پایا میرا درست
مرے نام خط تیرا پہنچا کہیں

چلو خیر اب زخم سلنے لگے
ثمرؔ کو ملا ہے مسیحا کہیں

غزل

خواب آنکھوں میں اُترنے پہ کوئی قید نہیں
دیدہ و دل کے بکھرنے پہ کوئی قید نہیں

کاش سب خواب ہمارے ہوں حسیں اور دراز
خواب میں ہم پہ سنورنے پہ کوئی قید نہیں

پھر بکھر جائیں سبھی سپنے کھُلیں جب آنکھیں
بے سبب خواب میں مرنے پہ کوئی قید نہیں

خواب میں خواب کی تعبیر نہیں مل سکتی
اشک سے جام کو بھرنے پہ کوئی قید نہیں

رات گہری ہوئی سپنوں کے کھلے ہیں غنچے
آ کے سپنوں میں نکھرنے پہ کوئی قید نہیں

ہے عجب کتنا یہ سپنوں کا جہاں اب سارا
دل میں میرے، ترے دھرنے پہ کوئی قید نہیں

داستاں ہے یہ حسیں کتنی ثمر خوابوں کی
ڈوب کر اِس میں اُبھرنے پہ کوئی قید نہیں

غزل

اجنبی عشق میں ہو جاتا ہے اکثر اپنا
تجھ سے وابستہ ہوا آج مقدّر اپنا

آکے پردیس میں یاد آیا وطن گھر اپنا
وہ جہاں اپنا محبّت کا سمندر اپنا

درو دیوار مکینوں کو کہاں بھول سکے
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

کم نصیبی کا زمانہ میں گزار آئی ہوں
مل گیا آج مجھے میرا وہی در اپنا

گفتگو جاری رہی شکوے گلے ہوتے رہے
یاد کرتا رہا اس کو دلِ مضطر اپنا

رک نہ پایا سمے چلتا رہا دھیرے دھیرے
وقت نے پورا کیا زیست کا چکّر اپنا

اپنی تاریخ سے سیکھیں تو کوئی بات بنے
شاید اس طرح سنور جائے مقدّر اپنا

شاعری میں وہ خیالات قلمبند کئے
آج دنیا میں ثمر چرچا ہے گھر گھر اپنا



ثمرین ندیم ثمرؔ

آج کے ادب کی ہمہ جہتی کو دیکھیں تو خوشی ہوتی ہے۔ اُردو اپنے وطن یعنی برِّصغیر سے باہر کئی جہتوں سے ترقی کر رہی ہے۔ اس کی آبیاری میں غیر ملکی ادیب، تارکینِ وطن اور مہجری ادیب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

خوشی کی بات یہ بھی ہے کہ وطن سے دُور خواتین بھی اُردو شاعری کے سرمائے میں گرانقدر اضافہ کر رہی ہیں اور ادب کو ثروت مند بنا رہی ہیں۔ ان کی تخلیقات میں فکر کی نئی روِش دیکھنے کو ملتی ہے جس میں زمانے کا کرب بھی ہے اور معاشرے کی ستم ظریفی بھی۔ ان کی تخلیقات میں براہ راست بیانیہ نمایاں طور پر موجود ہے۔

ثمرین ندیم ثمرؔ کی شاعری براہِ راست بیانیہ کی عمدہ مثال ہے۔ ثمرین مافی الضمیر کی ادائیگی کے لئے صنعتوں کا سہارا بہت کم لیتی ہیں، اسی لئے ان کی شاعری کہیں موزونیت کا حسن دکھتا ہے تو سادہ لوحی کے جذبات بے کم وکاست جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

(خواجہ محمد اکرام الدین، جواہر لعل یونیورسٹی، نئی دہلی، بھارت)

Rang-e-Adab Publications

Rs: 800/- $ 10.00

Office # 5 - Kitab Market, Urdu Bazar, Karachi.

0345-2610434 0336-2085325

021-32761100 0300-2054154

rangeadab@yahoo.com /rangeadab

9789697451876